Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

حل سوالات ششم برائے ہفتم

النّاعمة

Telegram Channel: New Madarsa

لحلّ اسئلة

الکتب الخمسة

• جلالین شریف • ہدایہ ثانی • حسامی
• میبذی • دیوانِ متنبّی

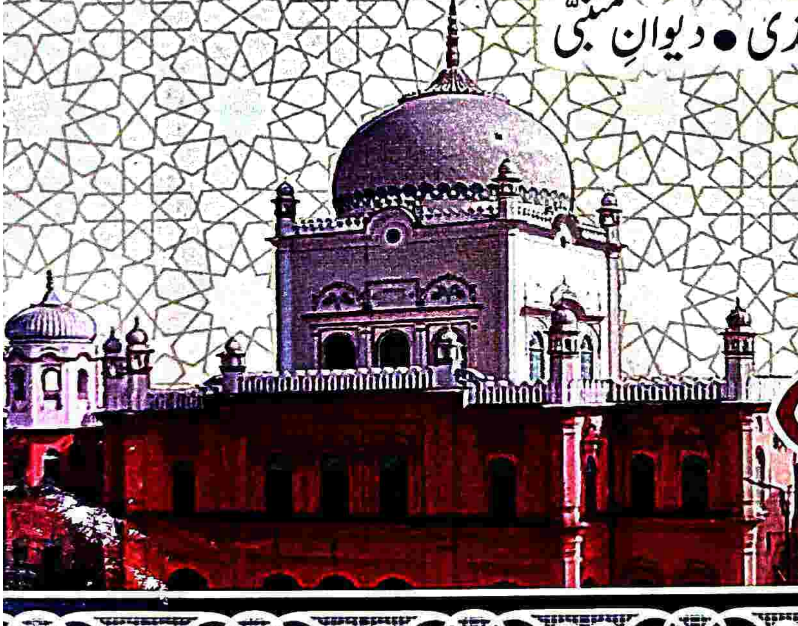

مؤلف
مولوی محمد طاہر فراز
فاضل دار العلوم دیوبند

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (Part - 2

اس میں صرف ھدایة ثانی ہے .

Website:MadarseWale.blogspot.com

NEW MADARSA

ہدایہ ثانی

MADARSE WALE

Website:MadarseWale.blogspot.com

نکاح کا بیان

محل امتحان نمبر۱، ہدایہ ثانی/۳۰۵

(الف) عبارت بااعراب: اَلنِّکَاحُ یَنْعَقِدُ بِالْإِیْجَابِ وَالْقَبُوْلِ بِلَفْظَیْنِ یُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِیْ، لِأَنَّ الصِّیْغَةَ وَ إِنْ کَانَتْ لِلْإِخْبَارِ وَضْعاً فَقَدْ جُعِلَتْ لِلْإِنْشَاءِ شَرْعاً دَفْعاً لِلْحَاجَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مطلب لکھیں (ب) ایجاب وقبول کی تعریف کریں (ج) کاح کے ارکان تحریر کریں، نیز نکاح کی لغوی اور اصطلاحی تعریف لکھیں۔

جواب

ترجمہ: نکاح متحقق ہوتا ہے ایجاب وقبول کے ساتھ ایسے دو لفظوں سے جسے ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ اس لیے کہ (ماضی کا) صیغہ اگرچہ وضعاً اخبار کے لیے ہے؛ لیکن اسے شرعاً انشاء کے لیے بنا دیا گیا ہے ضرورت کو دفع کرنے کے لیے۔

تشریح: اس مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ اس ''عقد خاص''، یعنی نکاح کے تحقق کے لیے، ایجاب وقبول ضروری ہے؛ چناں چہ جب ایجاب وقبول پایا گیا تو نکاح متحقق ہو جائے گا اور مصنف نے ''بلفظین'' کہہ کر تحریر کو خارج کر دیا گیا یعنی اگر فقط تحریر کے ذریعے ایجاب وقبول ہوا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور ایجاب وقبول میں ماضی کا صیغہ ہونا ضروری ہے۔

لِأَنَّ الصِّیْغَةَ: سے دلیل کی صورت میں اشکال کا جواب دیا گیا ہے۔ حاصلِ اشکال یہ ہے کہ نکاح انشاء کے قبیل سے ہے اور انشاء کہتے ہیں: ''اثبات مالم یکن ثابتا'' کو یعنی جو چیز ثابت نہیں تھی اس کو ثابت کرنا۔ اور حدوث امر فی الحال کو یعنی زمانہ موجودہ میں کسی امر کو عدم سے وجود میں لانا، لہٰذا انعقاد نکاح ایسے لفظ کا محتاج ہوگا جو صراحۃً

Website:MadarseWale.blogspot.com

Website:NewMadarsa.blogspot.com

Website:MadarseWale.blogspot.com

اس معنیٰ پر دلالت کرے اور لغت میں ایسا لفظ موجود نہیں جو صراحۃً حدوث امر فی الحال پر دلالت کرے؛ کیوں کہ ماضی تو گزشتہ پر دلالت کرتی ہے اور مضارع جس طرح حال پر دلالت کرتا ہے استقبال پر بھی دلالت کرتا ہے، لہٰذا مضارع کی دلالت حال پر صریح نہیں ہوگی، تو ایجاب وقبول کو صیغۂ ماضی سے کیسے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ صیغۂ ماضی کو تو اخبار کے لیے وضع کیا گیا ہے؛ لیکن مصالح نکاح کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انشاء کے معنیٰ میں نقل کیا گیا جیسے: جملہ دعائیہ ''سقی اللّٰہ شراہ'' اور افعالِ مدح ''نعم'' اور ذم ''بئس'' میں ماضی کو انشاء کے معنیٰ میں نقل کرلیا گیا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) ایجاب وقبول کی تعریف:

(ب) **الایجاب:** هو اللفظ الصادر من احد المتعاقدين اولاً.

القبول: هو اللفظ الصادر من احد المتعاقدين ثانياً.

(ج) نکاح کے ارکان، نیز نکاح کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

نکاح کے دو ارکان ہیں: (۱) ایجاب (۲) قبول۔

نکاح کے لغوی واصطلاحی معنیٰ: نکاح کے لغوی معنیٰ ''ملانے'' کے آتے ہیں اور اصطلاح میں وہ ایسا عقد ہے جو ملک متعہ کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ النكاح هو عقد موضوع لملك المتعة.

محل امتحان نمبر۲، ہدایہ ثانی ۳۰۵/

(الف) **عبارت بااعراب:** وَ يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَ التَّزْوِيجِ وَ الْهِبَةِ وَ الصَّدَقَةِ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَنْعَقِدُ إِلَّا بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَ التَّزْوِيجِ...... وَ لَنَا أَنَّ التَّمْلِيكَ سَبَبٌ لِمِلْكِ الْمُتْعَةِ فِي مَحَلِّهَا بِوَاسِطَةِ مِلْكِ الرَّقَبَةِ، وَهُوَ الثَّابِتُ بِالنِّكَاحِ، وَ السَّبَبِيَّةُ طَرِيقُ الْمَجَازِ.

Website:MadarseWale.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) دلیلِ احناف کی وضاحت کرتے ہوئے امام شافعیؒ کی دلیل بھی لکھیں، نیز والسببية الخ سے کس طرف اشارہ ہے؟ واضح کریں۔

جواب

ترجمہ: اور نکاح منعقد ہو جائے گا، (لفظ) نکاح، تزویج، ہبہ اور صدقہ سے اور امام شافعیؒ نے فرمایا: نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ مگر لفظ نکاح اور لفظ تزویج سے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تملیک، ملک متعہ کا سبب ہے متعہ کے محل میں ملک رقبہ کے واسطے سے اور یہ نکاح سے ہی ثابت ہے اور سببیت مجاز کا طریق ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) مطلب:

اس مسئلہ میں دو قسم کے الفاظ بیان کئے گئے ہیں (۱) نکاح وتزویج (۲) ہبہ وصدقہ پہلی قسم میں کسی کا اختلاف نہیں ہے سب کے نزدیک بالاتفاق ان دونوں سے نکاح منعقد ہو جائے گا؛ البتہ دوسری قسم میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک لفظ ''نکاح'' اور لفظ ''تزویج'' کے علاوہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

(ج) دلیلِ احناف کی وضاحت اور امام شافعیؒ کی دلیل:

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اگر لفظ نکاح وتزویج کے ماسوی دیگر الفاظ سے نکاح منعقد ہوگا تو یا تو وہ ''لفظ'' نکاح کے معنیٰ میں حقیقت ہوگا یا مجاز ہوگا حقیقی معنیٰ میں نہیں ہوسکتا: کیوں کہ اگر حقیقی معنیٰ میں ہوتو لفظ ہبہ وغیرہ از دواج اور نکاح کے مرادف ہوں گے: حالاں کہ ایسا نہیں ہے؛ کیوں کہ ہبہ وغیرہ کا تحقق ایسی جگہ ہو جاتا ہے جہاں نکاح کا تحقق نہیں ہوسکتا تو معلوم ہوا کہ ہبہ وغیرہ جیسے الفاظ نکاح کے معنیٰ میں حقیقت نہیں ہیں اور نہ ہی مجاز ہیں؛ کیوں کہ ان دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے؛ کیوں کہ تزویج کے

Website:MadarseWale.blogspot.com

معنیٰ ''جوڑنے'' اور نکاح کے معنیٰ ''ملانے'' کے ہیں اور مالک اور مملوک کے درمیان ازدواج اور ضم نہیں ہوتا، لہٰذا مناسبت نہیں پائی گئی اور بغیر مناسبت کے مجازی معنیٰ لیے نہیں جا سکتے، لہٰذا ہبہ وغیرہ نکاح کے مجازی معنیٰ میں بھی نہیں ہیں، لہٰذا عقد صرف لفظ ''نکاح'' اور ''تزویج'' سے منعقد ہوگا۔

احناف کی دلیل: یہ ہے کہ ہبہ وغیرہ الفاظ، نکاح کے معنیٰ میں مجاز ہیں اور مناسبت بھی پائی جا رہی ہے اور وہ اس طرح کہ ہبہ میں میں تملیک ہوتی ہے (اور اسی پر دیگر کو قیاس کیا جائے) اور تملیک، ملکِ رقبہ کے واسطے سے، ملک متعہ کا سبب ہوتی ہے محل متعہ میں، اور نکاح سے بھی ملک متعہ کا ثبوت ہوتا ہے، نیز تملیک سے بھی بواسطہ ملک رقبہ، ملک متعہ کا ثبوت ہوتا ہے تو یہ الفاظ اگر چہ حقیقتاً ملک متعہ کے لیے وضع نہیں کیے گئے؛ لیکن ثبوت ملکِ متعہ پر دلالت کرتے ہیں ملک رقبہ کے واسطے سے، لہٰذا ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اور سبب یعنی (ملک رقبہ) بول کر مسبب یعنی (ملک متعہ) مراد لینا یہ مجاز کے طرق میں سے ایک طریق ہے تو اس تقریر سے ہبہ وغیرہ کے الفاظ کا مجازی معنیٰ میں استعمال ثابت ہو گیا، لہٰذا اگر کہیں محل کے اندر حقیقی معنیٰ کو قبول کرنے کی صورت نہ ہو تو مجازی معنیٰ مراد ہوں گے جیسے نکاح کے موقع پر کہ جب لفظ ہبہ بولا تو اس کے حقیقی معنیٰ یعنی تملیک رقبہ تو ہو نہیں سکتے؛ اس لیے کہ وہ عورت آزاد ہے، لہٰذا مجازی معنیٰ مراد ہوں گے اور وہ تملیک ملکِ متعہ ہے؛ چناں چہ نکاح درست ہو جائے گا۔

قوله في محلها: اس قید سے ان لوگوں کو نکالنا ہے جو محل متعہ نہیں ہیں جیسے غلام، جانور وغیرہ۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

Website:NewMadarsa.blogspot.com

والسببیۃ الخ سے کس طرف اشارہ ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لینا یہ بھی مجاز کا ایک علاقہ اور طریق

Website:MadarseWale.blogspot.com

ہے اور اس طرح یہ الفاظ نکاح کے مجازی معنیٰ ہو جاتے ہیں اور مجاز مراد لینا جس طرح معنیٰ لغوی میں درست ہے اسی طرح شرع میں بھی مجاز کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

محل امتحان نمبر ۳، ہدایہ ثانی ۳۰۷/

(الف) عبارت بااعراب: وَإِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ لَا يَجُوْزُ، لِأَنَّ السَّمَاعَ فِيْ النِّكَاحِ شَهَادَةٌ وَلَا شَهَادَةَ لِلْكَافِرِ عَلَى الْمُسْلِمِ فَكَأَنَّهُمَا لَمْ يَسْمَعَا كَلَامَ الْمُسْلِمِ وَلَهُمَا أَنَّ الشَّهَادَةَ شُرِطَتْ فِيْ النِّكَاحِ عَلٰى اعْتِبَارِ إِثْبَاتِ الْمِلْكِ لِوُرُوْدِهٖ عَلٰى مَحَلٍّ ذِيْ خَطَرٍ لَا عَلٰى اعْتِبَارِ وُجُوْبِ الْمَهْرِ إِذْ لَا شَهَادَةَ تُشْتَرَطُ فِيْ لُزُوْمِ الْمَالِ وَهُمَا شَاهِدَانِ عَلَيْهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھتے ہوئے مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

جواب

ترجمہ: اور اگر کسی مسلمان نے کسی ذمیہ (کتابیہ) عورت سے دو ذمیوں کی گواہی کے ساتھ نکاح کیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ نکاح کے اندر (ایجاب وقبول کو) سننا شہادت ہے اور کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے، پس گویا دونوں ذمیوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہادت کی نکاح میں شرط لگائی گئی ہے ملک (بضع) کو ثابت کرنے کا اعتبار کرتے ہوئے، ذی عظمت محل پر ملکیت کے ورود کے لیے، نہ کہ وجوب مہر کا اعتبار کرتے ہوئے؛ اس لیے کہ لزومِ مال میں شہادت شرط نہیں ہے اور وہ دونوں (ذمی، ذمیہ) کے خلاف شاہد ہیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com
Website:MadarseWale.blogspot.com

(ب) تشریح مع اختلافِ ائمہ:

ماقبل میں گواہوں کا مسلمان ہونا شرط بتلایا گیا تھا، عبارت کا مسئلہ اسی پر متفرع ہے: ذمی وہ کافر لوگ ہیں جو ملک اسلام میں فرمانبرداری و ذمہ داری پر بستے ہوں۔ خواہ ہندو ہوں یا یہودی یا نصرانی؛ لیکن متن یعنی عبارت میں ذمیہ سے مراد اہل کتاب ہے یعنی یہودی ہو یا نصرانی؛ کیوں کہ مسلمان کا نکاح صرف کتابیہ سے جائز ہے غیر کتابیہ سے جائز نہیں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمیہ یعنی اہل کتاب عورت سے نکاح کیا اور گواہ دو ذمی کو بنایا تو اس کے نکاح کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے، شیخینؒ جواز کے قائل ہیں، امام محمدؒ اور امام زفرؒ عدمِ جواز کے قائل ہیں۔

امام محمدؒ اور امام زفرؒ کی دلیل: یہ ہے کہ نکاح میں ایجاب وقبول کے سننے کا نام شہادت ہے اور کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے، تو گویا کہ ذمیوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں۔ الحاصل ان دونوں حضرات نے سماع کو عدم سماع پر قیاس کیا ہے۔ اور جب ایجاب وقبول کو سنا ہی نہیں تو شہادت پائی ہی نہیں گئی اور جب شہادت نہیں پائی گئی تو نکاح بھی منعقد نہیں ہوگا۔

شیخینؒ کی دلیل کا حاصل: یہ ہے کہ نکاح میں دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ ملکِ بضع شوہر کے لیے ثابت کیا جاتا ہے دوسرے یہ کہ عورت کے لیے شوہر پر مہر واجب ہوتا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ شہادت ایسی چیز کے لیے ہوتی ہے جو قابلِ احترام ہو اور بضع ایک محترم چیز ہے، تو معلوم ہوا کہ شہادت ''بضع'' کے لیے ہے اور مال کوئی محترم چیز نہیں ہے، کیوں کہ نکاح کے وقت اگر مال کا ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نکاح میں گواہ اس لیے بنائے جاتے ہیں؛ تاکہ شوہر کے واسطے عورت پر بضع کی ملکیت ثابت ہو جائے اور نکاح میں گواہ بنانے کا مقصد یہ نہیں ہوتا ہے کہ

Website:MadarseWale.blogspot.com

شوہر پر عورت کے لیے مال واجب ہو، حاصل کلام یہ نکلا کہ گواہی ملکِ بضع علی الزوجہ کو شوہر کے واسطے ثابت کرنے کے لیے ہے نہ کہ شوہر پر مال کو واجب کرنے کے لیے ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ گواہی مسلمان شوہر کے حق میں ہے اور ذمیہ عورت کے خلاف ہے اور کافر کی گواہی مسلمان کے حق میں قبول کر لی جاتی ہے۔ ہاں! البتہ مسلمانوں کے خلاف کافر کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے، لہٰذا ذمیوں کی گواہی سے یہ نکاح منعقد ہو جائے گا؛ کیوں کہ یہ مسلمان کے حق میں ہے۔

محل امتحان نمبر ۴، ہدایہ ثانی ۳۰۷/

(الف) عبارت با اعراب: وَمَنْ أَمَرَ رَجُلًا بِأَنْ يُزَوِّجَ ابْنَتَهُ الصَّغِيْرَةَ فَزَوَّجَهَا وَالْأَبُ حَاضِرٌ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ وَاحِدٍ سِوَاهُمَا جَازَ النِّكَاحُ لِأَنَّ الْأَبَ يُجْعَلُ مُبَاشِرًا لِإِتِّحَادِ الْمَجْلِسِ فَيَكُوْنُ الْوَكِيْلُ سَفِيْرًا وَ مُعَبِّرًا فَيَبْقَى الْمُزَوِّجُ شَاهِدًا وَ إِنْ كَانَ الْأَبُ غَائِبًا لَمْ يَجُزْ لِأَنَّ الْمَجْلِسَ يَخْتَلِفُ فَلَايُمْكِنُ أَنْ يَجْعَلَ الْأَبُ مُبَاشِرًا وَعَلٰى هٰذَا إِذَا زَوَّجَ الْأَبُ ابْنَتَهُ الْبَالِغَةَ بِمُحْضَرِ شَاهِدٍ وَاحِدٍ إِنْ كَانَتْ حَاضِرَةً جَازَ وَ إِنْ كَانَتْ غَائِبَةً فَلَايَجُوْزُ.

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) تشریح کرتے ہوئے عبارت میں مذکور مسئلہ کی دونوں صورتوں کی وضاحت کریں (ج) عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک گواہ سے نکاح درست ہے جب کہ مسئلہ یہ ہے کہ نکاح کے لیے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے آپ عبارت کا جواب دیں؟

جواب

ترجمہ: اور اگر کسی شخص نے ایک دوسرے شخص کو حکم دیا (وکیل بنایا) کہ اس کی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دے؛ چناں چہ مامور نے ایک شخص کی شہادت سے جو کہ مامور

Website:MadarseWale.blogspot.com

اور باپ کے علاوہ ہے، باپ کی موجودگی میں نکاح کر دیا تو یہ نکاح صحیح ہے؛ اس لیے کہ باپ تو اتحادِ مجلس (یعنی حاضر فی المجلس ہونے) کی وجہ سے بلا واسطہ نکاح کرنے والا قرار دے دیا جائے گا اور نکاح کرنے والا (مامور) شاہد رہے گا اور اگر باپ مجلسِ نکاح میں موجود نہ ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا؛ اس لیے کہ مجلس مختلف ہوگئی، لہٰذا باپ کو مباشر بالنکاح قرار نہیں دیا جا سکتا ہے اور اسی قاعدہ کے مطابق اس صورت میں بھی ہوگا کہ جب باپ نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح ایک گواہ کی موجودگی میں کر دیا، اگر بیٹی مجلس میں موجود ہو تو نکاح جائز ہوگا اور اگر غائب ہو تو جائز نہیں ہوگا۔

(ب) تشریح اور عبارت میں مذکور مسئلہ کی دونوں صورتوں کی وضاحت:

اوّلاً مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ زید نے بکر کو اپنی دخترِ صغیر کے نکاح کرنے کا حکم دیا (وکیل بنایا) اس کے بعد زید، بکر، خالد اور عبداللہ نکاح قبول کرنے والا جمع ہو جائے، حال یہ ہے کہ لڑکی کا باپ زید بھی مجلس میں موجود ہے، یہ کل چار افراد ہوئے، وکیل بکر نے لڑکی کا نکاح عبداللہ سے ان حضرات کی موجودگی میں کر دیا، وکیل نے خالد کو گواہ بنایا تو یہ نکاح درست ہوگا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

مسئلہ ثانیہ کی صورت: اگر لڑکی نابالغ ہو اور باپ نے ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح کر دیا تو درست ہوگا؛ اس لیے کہ لڑکی چوں کہ بالغہ ہے، لہٰذا وہ خود ایجاب وقبول کرنے والی ہوگی، باپ اور شخص آخر دو گواہ ہوں گے اور اگر لڑکی مجلس میں موجود نہیں ہے تو نکاح درست نہ ہوگا؛ اس لیے کہ باپ اس صورت میں وکیل ہوگا اور گواہ ایک رہ جائے گا جو درست نہیں ہے۔

(ج) عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک گواہ سے نکاح درست ہے...الخ:

سوال: ایک گواہ سے نکاح درست ہو جائے یا نہیں؟

جواب: یہاں حقیقت میں دو گواہ ہیں؛ اس لیے کہ باپ (یعنی) زید کی موجودگی

Website:MadarseWale.blogspot.com

میں نکاح کرنے کی نسبت حکماً باپ کی طرف ہوگی، گو حقیقت میں نکاح کرنے والا بکر ہے، تو بکر باپ کی موجودگی میں سفیرِ محض اور باپ کے قول کی ترجمانی کرنے والا ہوگا، اور بکر کا یہ کام بطورِ وکیل کے نہ ہوگا؛ بلکہ دوسرا گواہ شمار ہوگا، اسی طرح خالد ایک گواہ اور بکر دوسرا گواہ اور باپ بلا واسطہ ایجاب وقبول کرانے والا ہوگا، اب یہ ایسا ہوگیا کہ باپ زید نے بکر اور خالد کی شہادت سے عبداللہ کا نکاح اپنی نابالغ لڑکی سے کردیا، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ البتہ یہ صورت اسی وقت ممکن ہے کہ باپ مجلس میں موجود ہو؛ ورنہ تو بکر وکیل رہے گا اور گواہ صرف ایک رہ جائے گا اور ایک گواہ سے نکاح نہیں ہوتا، یہ اس صورت میں ہوگا کہ لڑکی صغیرہ ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۵، ہدایہ ثانی/ ٣٠٨

(الف) عبارت با اعراب: وَلَا بِامْرَأَةِ أَبِيهِ وَ أَجْدَادِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآءُكُمْ﴾ وَلَا بِامْرَأَةِ ابْنِهِ وَ بَنِي أَوْلَادِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآءِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ وَ ذِكْرُ الْأَصْلَابِ لِاسْقَاطِ اعْتِبَارِ التَّبَنِّي لَا لِإِحْلَالِ حَلِيْلَةِ الْإِبْنِ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھتے ہوئے "وَلَا بِامْرَأَةِ ابْنِهِ وَ بَنِي أَوْلَادِهِ" اور "مِنْ أَصْلَابِكُمْ" کی قید کی مکمل وضاحت کریں (ج) متبنّیٰ کے خارج ہونے کی دلیل پیش کریں۔

جواب

ترجمہ: کسی کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنے والد کی اور دادا کی بیوی سے نکاح کرے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان عورتوں سے نکاح نہ کرو کہ جن سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو اور حلال نہیں ہے کہ اپنے فرزند کی بیوی سے نکاح یا

Website:MadarseWale.blogspot.com

اپنے فرزند کے فرزند کی بیوی سے نکاح کرے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے صلبی فرزندوں کی بیویوں سے نکاح مت کرو، اور قرآن میں "اصلاب" کی قید اس لیے ہے کہ معلوم ہو جائے کہ متبنّیٰ کا اعتبار نہیں ہے (یعنی متبنّیٰ صلبی بیٹوں میں شمار نہیں ہے) نہ اس لیے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی حلال ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) مطلب:

اور اپنے والد اور دادا کی بیویوں سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے، یعنی اپنی حقیقی ماں اور دادی کے علاوہ ان عورتوں سے بھی نکاح حلال نہیں ہے جو باپ دادا کے نکاح میں رہ چکی ہوں۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ ﴿وَلَاتَنْكِحُوْا مَانَكَحَ اٰبَآءُكُمْ﴾ یعنی جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرو، دادا باپ میں شامل ہے، اصل ہونے کی وجہ سے جیسے دادی ماں میں شامل ہے اصل ہونے کی وجہ سے، یا اجماع کی وجہ سے شامل ہے اور دادا دادی میں نانا بھی شامل ہے (وإن علت)۔

"وَلَا بِإِمْرَأَةِ ابْنِهٖ وَ بَنِي أَوْلَادِهٖ" کی قید کی وضاحت:

اور حلال نہیں ہے نکاح کرنا اپنے پسر کی بیوی سے اور اولاد کے لڑکوں کی بیویوں سے؛ چناں چہ نانا کے لیے نواسے کی بیوی سے نکاح حلال نہیں ہے؛ اس لیے کہ نواسہ بھی اولاد ہے (وإن سفلت) یہ حرمت محض نکاح سے ثابت ہو جائے گی وطی شرط نہیں ہے، بشرطیکہ نکاح صحیح ہو اور نکاح فاسد ہو تو وطی کے بعد ہی اولاد کے بیٹوں کی بیوی حرام ہوگی، اس مسئلہ میں ابن صلبی اور رضاعی دونوں برابر ہیں؛ البتہ بیٹے کی باندی اس وقت تک باپ پر حرام نہ ہوگی جب تک بیٹا اس باندی سے وطی نہ کرے؛ اس لیے کہ حرمتِ نکاح کے لیے حلیلہ شرط ہے اور حلیلہ اسی وقت کہا جاتا ہے جب وطی ہو جائے؛ اس لیے کہ یہ حل الازار سے ماخوذ ہے جو کہ کنایہ وطی سے ہے، اور کتاب اللہ میں حلائل کی قید ہے ﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ﴾۔

"مِنْ أَصْلَابِكُمْ" کی قید کا فائدہ:

Website:MadarseWale.blogspot.com

یہ قید لے پالک (گود لیے ہوئے) بیٹے کو خارج کرنے کے لیے ہے نہ کہ لے پالک بیٹے کی بیوی کی حرمت کو بیان کرنے کے لیے۔

(ج) متبنّٰی کے خارج ہونے کی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا قول ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ﴾۔

محل امتحان نمبر ۶، ہدایہ ثانی /۳۰۸

(الف) عبارت با اعراب: فَإِنْ تَزَوَّجَ أُخْتَيْنِ فِيْ عَقْدَتَيْنِ وَلَا يُدْرِىْ اَيَّتُهَا الْأُوْلٰى فُرِّقَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَهَا لِأَنَّ نِكَاحَ أَحَدِهِما بَاطِلٌ بِيَقِيْنٍ وَلَا وَجْهَ إِلٰى التَّعْيِيْنِ لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ وَلَا إِلٰى التَّنْفِيْذِ مَعَ التَّجْهِيْلِ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ أَوْ لِلضَّرَرِ فَتَعَيَّنَ التَّفْرِيْقُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) عقدتین کی قید کا فائدہ اور لعدم الفائدۃ اور للضرر کی مراد متعین کریں (د) یہ بتلائیں کہ مہر ان دونوں میں سے کس کو اور کتنا ملے گا؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اگر اس نے دو بہنوں سے دو عقد میں نکاح کیا اور اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ پہلی کون ہے تو مرد اور دونوں بہنوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی؛ اس لیے کہ ان دونوں میں سے ایک کا نکاح یقینی طور پہ باطل ہے اور متعین کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اولویت نہ ہونے کی وجہ سے اور ناواقفیت کے ساتھ نافذ کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے یا ضرر کی وجہ سے، لہٰذا تفریق متعین ہو گئی۔

(ب) مطلب:

Website:MadarseWale.blogspot.com

ماقبل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''جمع بین الاختین حرام ہے'' یہ مسئلہ اسی پر متفرع ہے؛ چناں چہ کسی نے دو بہنوں سے دو الگ الگ عقد میں نکاح کیا اور اسے یہ معلوم نہیں کہ پہلے کس سے نکاح ہوا ہے تو ان کے درمیان تفریق کرادی جائے گی۔

دلیل: یہ ہے کہ ایک کا نکاح (جس سے بعد میں ہوا ہے) یقینی طور پر باطل ہے، اب نکاح کے درست قرار دینے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) متعین طور پر ایک کا نکاح صحیح قرار دیا جائے اور دوسرے کا باطل تو یہ درست نہیں؛ چوں کہ نکاح میں مقدم ہونا معلوم نہیں ہے، اور اس صورت میں ترجیح بلا مرجح بھی لازم آئے گی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مبہم طور پر ایک کا نکاح نافذ کردیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ تم دونوں میں سے ایک کا نکاح صحیح ہے اور جس کا نکاح درست قرار دیا ہے، اس کی تعیین نہ کی جائے یہ بھی درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے؛ بلکہ اور نقصان ہے، لہٰذا اب ایک ہی صورت رہ گئی کہ ان کے درمیان تفریق کردی جائے، لہٰذا تفریق کردی جائے گی۔

(ج) عقدتین کی قید کا فائدہ اور لعدم الفائدۃ اور للضرر کی مراد متعین کریں:

عقدتین کا فائدہ اور لعدم الفائدۃ اور للضرر کی مراد کی وضاحت: مصنفؒ نے عقدتین کی قید لگائی ہے؛ اس لیے کہ اگر دونوں سے نکاح ایک ہی عقد میں ہوا تو یقینی طور پر نکاح دونوں سے باطل ہے۔

لعدم الفائدۃ: یعنی استمتاع کا حلال نہ ہونا اور للضرر سے مراد شوہر پر نفقہ سکنیٰ وغیرہ کا لازم ہونا (حالانکہ مقصود یعنی استمتاع اسے حاصل نہیں ہوا) اور عورت کا محبوس و مقید ہو جانا۔

نوٹ: عبارت میں ''او'' کی جگہ پر ''واؤ'' ہونا زیادہ بہتر ہے اور یہ تمام تشریح اسی

Website:MadarseWale.blogspot.com

اعتبار سے ہے۔

(د) بتلائیں کہ مہران دونوں میں سے کس کو اور کتنا ملے گا؟

مہر دونوں کی مجموعی طور پر مسمّٰی کا آدھا ملے گا جس کو دونوں آپس میں برابر برابر تقسیم کرلیں گی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

Website:NewMadarsa.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۷، ہدایہ ثانی/۳۰۹

(الف) عبارت بااعراب: وَ مَنْ زَنٰى بِامْرَأَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ أُمُّها وَبِنْتُها وقال الشافعيّ الزّنا لا يُوجِبُ حُرْمَةَ المُصاهَرَةِ لِأَنَّها نِعْمَةٌ فلا تنالُ بِالمَحْظُورِ وَلَنا أَنَّ الْوَطْيَ سَبَبُ الجُزْئِيَّةِ بِواسِطَةِ الوَلَدِ حَتّى يُضافَ إلٰى كُلِّ واحِدٍ مِنْهُما كَمَلاً فَيَصِيرُ أُصولُها وفُروعُها كَأُصُولِهِ وَفُرُوعِهِ وَكَذٰلِكَ عَلَى الْعَكْسِ والاِسْتِمْتاعُ بِالْجُزْءِ حَرامٌ اِلَّا فِيْ مَوْضِعِ الضَّرُوْرَةِ وَهِيَ الْمَوْطُوْءَةُ وَالْوطْيُ الْوَطْيِ مُحَرَّمٌ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ سَبَبُ الْوَلَدِ لا مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ زِنَاءٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) الّا في موضع الضرورة سے کس شبہ کو دفع کر رہے ہیں۔

جواب

ترجمہ: اور کسی شخص نے کسی عورت سے بدکاری کی، تو اس پر اس کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائے گی اور امام شافعیؒ نے فرمایا زنا، حرمتِ مصاہرت کو ثابت نہیں کرتا؛ اس لیے کہ حرمتِ مصاہرت ایک نعمت ہے، لہٰذا وہ ممنوع شئ سے حاصل نہ ہوگی، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وطی، ولد کے واسطے سے جزئیت کا سبب ہے حتیٰ کہ ولد کو ان دونوں میں ہر ایک کی جانب مکمل منسوب کیا جائے گا؛ چناں چہ مزنیہ کے اصول وفروع زانی کے اصول وفروع کی طرح ہو جائیں گے اور اسی طرح برعکس، اور جزء سے فائدہ

Website:MadarseWale.blogspot.com

اٹھانا حرام ہے، مگر ضرورت کی جگہ میں اور وہ موطوءہ ہے اور وطی حرام کرنے والی ہے اس حیثیت سے کہ وہ ولد کا سبب ہے اس حیثیت سے نہیں کہ وہ زنا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) مطلب:

اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت سے بدکاری کی تو دونوں کے اصول وفروع دونوں پر حرام ہو جائیں گے تو گویا کہ حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے اور امام شافعیؒ کہتے ہیں اس کے بدکاری کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی، لہٰذا اصول وفروع حرام نہیں ہوں گے اور اس بات کی دلیل کہ حرمتِ مصاہرت ثابت؛ کیوں نہیں ہوگی؟

فرماتے ہیں کہ حرمتِ مصاہرت ایک نعمت ہے اور نعمت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بندوں پر اپنے احسانات جتلاتے ہوئے فرمایا: **فَجَعَلَهُ نَسَباً وصِهراً** " اور اس وجہ سے بھی نعمت ہے کہ اس سے اجنبیات ماں کے درجہ میں ہو جاتی ہیں جیسے خوشدامن، اور نعمت کسی ممنوع شئ سے حاصل نہیں ہوتی اور زنا تو ممنوع ہے، لہٰذا اس سے مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ وطی، ولد کے واسطے سے جزئیت کا سبب ہے اسی لیے لڑکے کو دونوں میں سے ہر ایک کی جانب مکمل منسوب کیا جاتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے، زید، رقیہ کا لڑکا ہے یا خالد کا لڑکا ہے اور یہ لڑکا دونوں کا جزء ہے، پس جب ولد کو عورت کی جانب مکمل منسوب کیا تو مرد کا جزء جو کہ لڑکا ہے اسے بھی عورت کی جانب منسوب کر دیا گیا اسی طرح عورت کے مسئلہ میں جب مرد کی جانب منسوب کیا جائے تو دونوں ایک دوسرے کے جزء ہو گئے اور شخصِ واحد کے درجہ میں ہو گئے، لہٰذا مرد کے اصول وفروع عورت کے اصول وفروع ہو جائیں گے اسی طرح مرد میں بھی، لہٰذا جس طرح اپنے حقیقی اصول وفروع سے نکاح درست نہیں اسی طرح ان اصول وفروع سے بھی نکاح درست نہیں جو ولد کے واسطے

Website:MadarseWale.blogspot.com

سے ثابت ہوئی ہیں؛ کیوں کہ استمتاع بالجزء حرام ہے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ناکح الید ملعون''

(ج) اِلَّا فِي موضع الضرورۃ سے کس شبہ کو دفع کر رہے ہیں؟

اِلَّا فِي موضع الضرورۃ سے ایک شبہ کو دفع کرنا ہے کہ جب جزء سے استمتاع حرام ہے تو بیوی سے ایک مرتبہ ولد کے پیدا ہو جانے کے بعد وطی حرام ہو جانی چاہئے؟۔ جواب یہ ہے کہ قاعدہ یہی ہے؛ لیکن ضرورت کی وجہ سے اسے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے؛ کیوں کہ اگر استثناء نہ کیا جائے تو نکاح کا مقصد توالد و تناسل فوت ہو جائے گا۔

والوطي محرم: امام شافعیؒ کے قول فلا تنال بالمحظور کا جواب ہے کہ یہاں پر ولد کی وجہ سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو رہی ہے اور ولد میں کوئی معصیت و ممانعت نہیں ہے، لہٰذا جو وطی اس کے حصول کا سبب ہے، اور ثبوتِ حرمتِ مصاہرت میں ولد کے قائم مقام ہے، اس میں بھی کوئی معصیت و ممانعت نہیں ہاں معصیت اس وقت ہوتی جب کہ زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی اور یہاں ایسا نہیں ہے؛ بلکہ حقیقۃً اس کا سبب، ولد ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۸، ہدایہ ثانی ۳۱۰/

(الف) عبارت بااعراب: وَيَجُوْزُ لِلْمُحْرِمِ وَ الْمُحْرِمَةِ أَنْ يَتَزَوَّجَا فِي حَالَةِ الإِحْرَامِ وَقَالَ الشَّافِعِيُ لاَ يَجُوْزُ وَتَزْوِيجُ الْوَلِيِّ الْمُحْرِمِ مَوْ لِيَتَهٗ عَلٰى هٰذَا الخِلاَفِ لَهٗ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلام لاَ يَنْكِحُ الْمُحرم وَلاَ يُنْكِحُ وَلَنَا مَا رُوِىَ أَنَّهٗ عَلَيه السَّلام تَزَوَّجَ بِمَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَمَارَوَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْوَطْيِ.

(الف) عبارت باعراب نقل کر کے ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کرتے ہوئے امام شافعیؒ اور احناف کی دلیل کی وضاحت کریں (ج) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب واضح لفظوں میں لکھیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

جواب

ترجمہ: محرم اور محرمہ کے لیے حالتِ احرام میں نکاح کرنا جائز ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے اور ولی محرم کا اپنی مولیۃ کا نکاح کرانا اسی اختلاف پر ہے امام شافعیؒ کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے ”نہ محرم نکاح کرے اور نہ نکاح کرائے اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے کہ جس میں روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا حالانکہ آپ محرم تھے اور وہ حدیث جس کو حضرت امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے وطی پر محمول ہے۔

(ب) مطلب مع دلیلِ شافعیؒ واحنافؒ:

مسئلہ یہ کہ حالت احرام میں نکاح کرنا یا کرانا درست ہے یا نہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک درست اور جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کا مستدل: عثمان بن عفانؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”محرم نہ نکاح کرے اور نہ کرائے“ اور ہمارا مستدل ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے حالتِ احرام میں نکاح کیا۔

(ج) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب واضح لفظوں میں:

امام شافعیؒ کا جواب: یہ ہے کہ اس حدیث کو اپنا مستدل بنانا درست نہیں؛ کیوں کہ وہاں نکاح سے مراد وطی ہے یعنی محرم حالتِ احرام میں نہ وطی کرے اور نہ وطی پر قادر بنائے۔ (فتح القدیر حاشیہ: ص ۲۲۳)

اور نکاح وطی کے معنی میں مستعمل بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے ”حتی تنکح زوجا غیرہ“ اس میں نکاح سے مراد وطی ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۹، ہدایہ ثانی/ ۳۱۱

(الف) عبارت با اعراب: وَ لِلْحُرِّ اَنْ یَتَزَوَّجَ اَرْبعاً مِنَ الحرائِرِ والإِمَاءِ وَلَیسَ لَهُ أنْ یَتَزَوَّجَ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ لِقَوْلِهِ تعالٰی فَانْکِحُوا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَّ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبَاعَ وَالتَّنْصِیصُ عَلَی العَدَدِ یَمْنَعُ الزِّیَادَةَ عَلَیْهِ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ لاَ یَتَزَوَّجُ إلَّا أمَةً لِأنَّهُ ضَرُوْرِیٌّ عِنْدَهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مسئلہ مذکورہ کی وضاحت کرتے ہوئے عبارت میں ذکر کردہ اختلاف اور ہر فریق کے دلائل کی تشریح کریں، نیز نکاح امۃ کے ضروری ہونے کا مطلب بھی لکھیں (ج) نیز **التنصیص علی العدد یمنع الزیادۃ** بظاہر یہ استدلال جو فاسدہ میں داخل ہے جب کہ وجوہِ فاسدہ میں سے کسی سے استدلال جائز نہیں ہے، وضاحت کے ساتھ لکھیں۔

جواب

ترجمہ: اور آزاد مرد کے لیے آزاد عورت اور باندی (کے مجموعے) میں سے چار سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے لیے اس سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے قول کی وجہ سے تم اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرلو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے اور عدد کی صراحت اس پر زیادتی سے مانع ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مرد صرف ایک باندی سے نکاح کرے گا؛ اس لیے کہ باندی سے نکاح کرنا ضرورتاً ثابت ہے امام شافعیؒ کے نزدیک۔

(ب) مذکورہ مسئلہ کی وضاحت مع دیگر جزئیات:

اس عبارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آزاد مرد کو کتنی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے؟ فرمایا کہ آزاد کو مطلق چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ چاروں آزاد ہوں یا

Website:MadarseWale.blogspot.com

باندی ہوں، نیز دونوں کو جمع کرنا بھی درست ہے؛ البتہ باندی کو نکاح میں مقدم رکھا جائے گا؛ کیوں کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کے بعد باندی سے نکاح کرنا درست نہیں ہوتا۔

دلیل: یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ تم اپنی من پسند عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو، دو دو سے بھی اجازت ہے تین تین سے بھی اگر نکاح کرنا چاہو اسی طرح چار سے بھی اجازت ہے اور یہ آیت عدد کی حلت کے بیان کے لیے لائی گئی ہے نفسِ حلتِ نکاح کو بیان کرنے کے لیے نہیں ہے؛ کیوں کہ نفسِ حلت پہلے ہی سے معلوم ہے اور ایک عورت سے نکاح کرنا یہ بھی پہلے سے معلوم ہے؛ البتہ دو سے یا تین سے یا چار سے کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے لیے آیت لائی گئی، لہٰذا یہ اپنے عدد پر ہی محصور ہوگی اور چار سے زائد سے نکاح درست نہیں ہوگا اور امت کا اس بات پر اجماع بھی ہے کہ چار سے زائد سے نکاح درست نہیں ہے؛ لیکن روافض نے نو سے اور خوارج نے اٹھارہ سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے جو کہ باطل ہے۔(فتح القدیر: ج/۳، ص/۲۲۹) یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے۔

اور امام شافعیؒ: کا اِس بات پر تو اتفاق ہے کہ چار آزاد عورتوں سے نکاح کیا جا سکتا ہے؛ لیکن چار باندی سے نکاح درست ہے یا نہیں تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باندی سے نکاح اس وقت درست ہے جب کہ آزاد مرد، آزاد عورت پر قادر نہ ہوا اور گناہ میں ملوث ہو جانے کا خوف ہو تو گویا کہ ضرورت کی بناء پر باندی سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور ضرورت زنا میں ملوث ہونے کا خوف ہے اور ضرورت ایک باندی سے پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا ایک سے زائد سے نکاح درست نہیں ہے۔

احناف کے نزدیک چار باندیوں سے نکاح درست ہے؛ اس لیے کہ اللہ کا قول: ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ﴾ میں نساء عام ہے آزاد اور باندی دونوں کو شامل ہے، لہٰذا دونوں میں سے چار سے نکاح درست ہے۔

نكاح الأمة ضروري کا مطلب:

Website:MadarseWale.blogspot.com

یہ ہے کہ باندی سے نکاح کو ضرورت کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے اور وہ شئی جو ضرورت کی بناء پر جائز ہو وہ ضرورت پر ہی منحصر ہوتی ہے اور ضرورت ایک باندی سے پوری ہو رہی ہے، لہٰذا ایک سے زائد نکاح درست نہیں ہے جیسے میتۃ یعنی مردار کھانا حرام ہے؛ لیکن ضرورت کی بناء پر جائز ہے اور یہ صرف ضرورت کے بقدر ہے اسی طرح باندی سے نکاح کرنا بھی ضرورت کی بناء پر ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) نیز التنصیص علی العدد یمنع الزیادۃ بظاہر...:

التنصیص علی العدد: وجوہِ فاسدہ کا اعتراض اس وقت ہوسکتا ہے تھا جب کہ اس آیت کو نفسِ حلتِ نکاح کے بیان کے لیے لایا گیا ہوتا اور یہ آیت تو محل نکاح یعنی عورت کی تعداد بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہے، اسی لیے ایک عورت سے نکاح کے سلسلے میں یہاں ذکر نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ تو پہلے سے معلوم ہے اور نکاح کا وجود ہی اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ کسی سے نکاح کیا جائے، اور جہاں کہیں بھی ایسا ہو وہاں حکم، عدد پر منحصر ہوتا ہے، لہٰذا نکاح چار پر منصر ہے اور انحصار کا تقاضہ ہے کہ اس کے بعد جائز نہ ہو، لہٰذا چار سے زائد سے نکاح درست نہیں ہے جیسے اللہ کا قول: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ﴾ یہ آیت بھی قروء کی عدد کو بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہے، لہٰذا عدت صرف تین قروء ہوگی مابقیہ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

محل امتحان نمبر۱۰، ہدایہ ثانی ۳۱۳/۲

(الف) عبارت بااعراب: وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَتَيْنِ فِيْ عَقْدَةٍ وَاحِدَةٍ وَإِحْدَاهُمَا لَا يَحِلُّ نِكَاحُهَا صَحَّ نِكَاحُ الَّتِيْ يَحِلُّ نِكَاحُهَا وَبَطَلَ نِكَاحُ الْأُخْرىٰ لِأَنَّ الْمُبْطِلَ فِيْ إِحْدَاهُمَا بِخِلَافِ مَا إِذَا جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ فِي الْبَيْعِ لِأَنَّهُ يَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ وَقُبُوْلُ الْعَقْدِ فِي الْحُرِّ شَرْطٌ فِيْهِ ثُمَّ جَمِيْعُ

Website:MadarseWale.blogspot.com

الْمُسَمّٰى لِلَّتِيْ حَلَّ نِكَاحُهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) صورتِ مسئلہ لکھ کر اس کو مدلل کریں (ج) "بخلاف ما إذا جمع بين حر وعبد في البيع الخ" کی وضاحت اور "قبول العقد في الحر شرط فيه" کا مطلب بوضاحت تحریر کریں۔

جواب

ترجمہ: جس شخص نے ایک عقد میں دو عورتوں سے نکاح کیا اور ان دونوں میں سے ایک کا نکاح اس سے حلال نہیں ہے تو وہ عورت جس کا نکاح حلال ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) صورتِ مسئلہ مدلل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک عقد میں دو عورتوں سے نکاح کیا۔ ان دو عورتوں میں سے ایک عورت اس کے لیے حلال ہے اور ایک حرام ہے۔ چاہے یہ قرابتِ نسب کے وجہ سے حرام ہو یا رضاعت کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے حرام ہو، تو حکم ہے کہ جو عورت اس کے لیے حلال ہے اس سے نکاح صحیح ہو جائے گا اور جو عورت اس کے لیے حلال نہیں ہے اس سے نکاح باطل ہو جائے گا۔

دلیل یہ ہے کہ باطل کرنے والی حرمت تو دونوں میں سے ایک میں ہے، پس جس میں مبطلِ نکاح موجود ہے۔ اسی کا نکاح باطل ہوگا نہ کہ دوسری کا؛ کیوں کہ نکاح شرط باطل کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب کہ غلام اور آزاد کو ایک عقد میں جمع کیا۔

(ج) "بخلاف ما إذا جمع بين حر وعبد في البيع الخ" کی وضاحت:

بخلاف ما إذا جمع بين حر وعبد في البيع الخ یعنی دونوں کو ملا کر بیچا تو ان دونوں میں بیع باطل ہوگی۔ آزاد میں تو باطل ہے۔ غلام کے اندر بھی بیع باطل

Website:MadarseWale.blogspot.com

ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ بیع شرط فاسد کی وجہ سے باطل ہو جاتی ہے اور نکاح شرطِ فاسد کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا ہے۔

''قبول العقد في الحر شرط فيه'' کا مطلب:

قبول العقد في الحر شرط الخ سے مصنفؒ نکاح اور بیع کے درمیان فرق بیان کرر ہے ہیں۔ وجہ فرق یہ ہے کہ جب آزاد اور غلام دونوں کو ایک عقد میں جمع کیا تو مشتری دونوں میں بیع کو قبول کرے یا دونوں میں چھوڑ دے؛ اس لیے کہ مشتری کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کچھ میں قبول کرے اور کچھ میں قبول نہ کرے؛ کیوں کہ اس صورت میں تفریق صفقہ ہے۔ اور تفریقِ صفقہ حرام ہے، پس جب دونوں میں قبول کرے گا تو غلام میں عقد قبول کرنے کے لیے آزاد میں عقد کا قبول کرنا شرط ہوگا اور چوں کہ آزاد محلِ بیع نہیں ہے؛ اس لیے مطلب یہ ہوگا کہ غیر مبیع میں عقد قبول کرنا بیع کے لیے شرط ہے اور یہ شرط فاسد ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ شرطِ فاسد کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع وشرط سے منع فرمایا ہے، لہٰذا یہاں بیع فاسد ہوگی آزاد میں بھی اور غلام میں بھی۔

برخلاف نکاح کے کہ اس میں بھی یہی صورت ہے کہ محلّلہ میں عقدِ نکاح قبول کرنے کے لیے محرمہ میں قبولیت کی شرط لگادی اور یہ شرط فاسد ہے؛ لیکن نکاح شروطِ فاسدہ کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ شرط فاسد خود باطل ہو جاتی ہے؛ اس لیے محللہ کا نکاح درست ہوگا ور محرمہ کا نکاح باطل ہوگا۔

اس کے بعد صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس عقد میں جو مہر متعین کیا گیا ہے وہ تمام کا تمام اس عورت کے لیے ہوگا جس کا نکاح حلال ہے، صاحبِ ہدایہ کے نزدیک اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں کے مہر مثل پر تقسیم کیا جائے گا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۱۱، ہدایہ ثانی ۳۱۶/۲

(الف) عبارت بااعراب: وَيَجُوزُ نِكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ إِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْرًا كَانَتِ الصَّغِيرَةُ أَوْ ثَيِّبًا وَالْوَلِيُّ هُوَ الْعَصَبَةُ وَمَالِكٌ يُخَالِفُنَا فِي غَيْرِ الْأَبِ وَالشَّافِعِيُّ فِي غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ وَفِي الثَّيِّبِ الصَّغِيرَةِ أَيْضًا، وَجْهُ قَوْلِ مَالِكٍ أَنَّ الْوِلَايَةَ عَلَى الْحُرَّةِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ لِانْعِدَامِ الشَّهْوَةِ إِلَّا أَنَّ وِلَايَةَ الْأَبِ ثَبَتَتْ نَصًّا بِخِلَافِ الْقِيَاسِ وَالْجَدُّ لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ، فَلَا يَلْحَقُ بِهِ قُلْنَا: لَا بَلْ هُوَ مُوَافِقٌ لِلْقِيَاسِ لِأَنَّ النِّكَاحَ يَتَضَمَّنُ الْمَصَالِحَ وَلَا تَتَوَفَّرُ إِلَّا بَيْنَ الْمُتَكَافِيَيْنِ عَادَةً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حق ولایت کن کو حاصل ہے؟ اختلافِ ائمہ مع دلائل تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اگر ولی صغیر وصغیرہ کا نکاح کر دے خواہ صغیرہ باکرہ ہو یا ثیبہ تو نکاح جائز ہے (اور ولی عصبات کی ترتیب پر ہے) اور امام مالکؒ غیر اب میں ہمارے خلاف ہیں اور امام شافعیؒ غیر اب وجد میں خلاف ہیں اور ثیبہ صغیرہ میں بھی ہمارے خلاف ہیں۔ امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ آزاد پر ولایت ضرورت کی وجہ سے ہوتی ہے اور (ثیبہ وغیرہ) کو حاجت نہیں ہے؛ اس لیے کہ شہوت نہیں ہے؛ مگر اب کی ولایت نص سے خلافِ قیاس ثابت ہے اور دادا، باپ کی مانند نہیں ہے، لہٰذا دادا باپ کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا اور ہمارے علماء نے کہا کہ باپ کی ولایت خلافِ قیاس نہیں ہے؛ بلکہ موافق قیاس ہے؛ اس لیے کہ نکاح بہت سے مصالح کو شامل ہوتا ہے اور وہ مصالح عادۃً صرف دو مساوی شخصوں کے درمیان کامل طور پر حاصل ہو سکتے ہیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ب) حق ولایت کن کو حاصل ہے؟ اختلافِ ائمہ مع دلائل:

امام مالکؒ کے نزدیک حسنِ ولایت صرف باپ کو حاصل ہے، اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف باپ دادا کو حاصل ہے، ان کے علاوہ اور کسی کو نہیں اور احنافؒ کے نزدیک ہر ولی کو عصبات کی ترتیب کے ساتھ حق ولایت حاصل ہوگا، باپ دادا ہوں یا ان کے علاوہ۔

امام مالکؒ کی دلیل: یہ ہے کہ حرا ور حرہ پر ولایت حاجت کی وجہ سے ہوتی ہے اور صغیر و صغیرہ میں عدمِ شہوت کی وجہ سے حاجت ہے نہیں، لہٰذا ان پر کسی کو ولایتِ اجبار حاصل نہیں ہوگی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

Website:NewMadarsa.blogspot.com

امام شافعیؒ کی دلیل: ان کی دلیل کا دارومدار شفقت پر ہے اور باپ دادا کے علاوہ میں شفقت کامل نہیں ہوتی۔

احنافؒ کی دلیل: احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرابت شفقت کا سبب ہوتی ہے جیسا کہ باپ دادا میں ہے، اب رہی یہ بات کہ باپ دادا کے علاوہ میں باپ دادا کی بہ نسبت شفقت کامل ہے ولایتِ اجبار اور ولایتِ الزام دونوں حاصل ہوں گی اور باپ دادا کے علاوہ کو جن میں شفقت کم ہے صرف ولایتِ اجبار حاصل ہوگی۔

مدارِ حق ولایت کیا ہیں......الخ؟

احنافؒ کا مذہب یہ ہے کہ ولایت کا حق صغیرہ پر ہوگا خواہ باکرہ ہو ثیبہ اور شوافعؒ کا مذہب یہ ہے کہ ولایت کا حق باکرہ پر ہوگا خواہ صغیرہ ہو یا بالغہ۔

خلاصہ یہ کہ احنافؒ کے نزدیک ولایت کا مدار صغر ہے اور شوافعؒ کے نزدیک بکر ہے۔

مجموعی طور پر کل چار صورتیں ہوں گی ان میں دو متفق علیہ ہیں اور دو مختلف فیہ:

(ا) اگر باکرہ صغیرہ ہو: بالاتفاق ولایتِ اجبار حاصل ہوگی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(۲) اگر ثیبہ بالغہ ہو: بالاتفاق ولایتِ اجبار حاصل نہ ہوگی۔

(۳) باکرہ بالغہ: شوافعؒ کے یہاں ولایت ہوگی احنافؒ کے یہاں نہیں۔

(۴) ثیبہ صغیرہ: احنافؒ کے یہاں ولایت ہوگی، شوافعؒ کے نزدیک نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ ثیبہ ہونا (مردرسیدہ ہونا) تجربہ حاصل ہونے کا سبب ہے جس کی وجہ سے ثیبہ صاحب الرائے ہوجاتی ہے، لہٰذا وہ اپنے نفع ونقصان کو خوب سمجھ سکتی ہے، جس کی وجہ سے اس پر ولایت کی ضرورت نہیں، وہ خودمختار ہے، لہٰذا ثیبہ ہونے پر ہی حکم دائر کیا گیا۔

احنافؒ کی دلیل: دلیل حاصل یہ ہے کہ صغیر وصغیرہ کو حاجت متحقق ہے؛ اس لیے کہ قضاءِ شہوت کے علاوہ نکاح میں اور بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں، نیز حاجت کے علاوہ باپ دادا میں شفقت بھی کامل ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

محل امتحان نمبر۱۲، ہدایہ ثانی ۳۱۷

(الف) عبارت بااعراب: إذَا بَلَغَتِ الصَّغِيرَةُ وَقَدْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ فَسَكَتَتْ فَهُوَ رِضًا وَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالنِّكَاحِ فَلَهَا الخِيَارُ حَتّٰى تَعْلَمَ فَتَسْكُتُ شَرَطَ الْعِلْمَ بِأَصْلِ النِّكَاحِ لِأَنَّهَا لَا تَتَمَكَّنُ مِنَ التَّصَرُّفِ اِلَّا بِهٖ وَالْوَلِيُّ يَتَفَرَّدُ بِهٖ فَعُذِرَتْ بِالْجَهْلِ وَلَمْ يُشْتَرَطِ الْعِلْمُ بِالْخِيَارِ لِأَنَّهَا تَتَفَرَّغُ لِمَعْرِفَةِ أَحْكَامِ الشَّرْعِ، وَالدَّارُ دَارُ العِلْمِ فَلَمْ تُعْذَرْ بِالْجَهْلِ بِخِلَافِ الْمُعْتَقَةِ لِأَنَّ الْأَمَةَ لَا تَتَفَرَّغُ بِمَعْرِفَتِهَا. فَعُذِرَتْ بِالْجَهْلِ بِثُبُوتِ الْخِيَارِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت میں ذکرشدہ مسائل کی مع دلائل وضاحت کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

جواب

ترجمہ: جب صغیرہ بالغہ ہوگئی اور حال یہ کہ وہ نکاح سے واقف ہے، پس خاموش رہی تو یہ رضامندی ہوگی اور اگر اصل نکاح سے واقف نہیں تو اس کو اختیار ہوگا یہاں تک کہ جان لے پھر خاموش ہو جائے، امام محمدؒ نے اصل نکاح کا جاننے کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ وہ اس کے بغیر تصرف پر قادر نہیں ہوگی؛ مگر علم بالنکاح سے، اور ولی تنہا نکاح کر سکتا ہے، پس صغیرہ جہالت کی وجہ سے معذور ہوگی اور خیار کے جاننے کی شرط نہیں لگائی؛ کیوں کہ یہ عورت احکام شرعیہ کو جاننے کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر سکتی ہے اور دار الاسلام دار العلم ہے، لہٰذا جہالت کی وجہ سے معذور نہیں ہوگی۔ برخلاف اس باندی کے جو آزاد کی گئی ہے؛ اس لیے کہ باندی احکام شرعیہ کو جاننے کے واسطے، فارغ نہیں ہو سکتی تو وہ خیار کے ثبوت کے نہ جاننے کی وجہ سے معذور ہوگی۔

(ب) عبارت میں ذکر شدہ مسائل کی مع دلائل وضاحت:

ذکر کردہ مسائل کی مع دلائل وضاحت: ماقبل میں مسئلہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر صغیر اور صغیرہ کا نکاح، باپ اور دادا کے علاوہ نے کیا تو بالغ ہونے کے بعد صغیرین میں سے ہر ایک کو خیارِ بلوغ کے تحت نکاح کو باقی رکھنے اور نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا یہ حکم طرفین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔ صورت یہ ہے کہ صغیرہ کو پہلے سے یہ معلوم ہے کہ فلاں کے ساتھ میرا نکاح ہو چکا ہے۔ اب بالغ ہونے کے بعد اس صغیرہ نے خاموشی اختیار کی تو یہ خاموشی اس کی طرف سے رضامندی ہوگی۔ اور اگر پہلے سے اصل نکاح کا علم نہیں تھا اسی دوران بالغ ہوگئی تو اس کو اس وقت تک اختیار رہے گا جب تک کہ اصل نکاح کا علم نہ ہو اور علم ہونے کے بعد اگر سکوت اختیار کیا تو رضامندی شمار ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ طرفین کے نزدیک اصل نکاح سے واقف ہونا شرط ہے۔

طرفین کی دلیل: یہ ہے کہ ولی صغیرہ سے مشورہ کئے بغیر تنہا نکاح کر سکتا ہے اور صغیرہ خیارِ بلوغ کے تحت اسی وقت تصرف پر قادر ہوگی جب کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ میرا

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com
Website:MadarseWale.blogspot.com

نکاح ہو چکا ہے۔ اس کے بغیر تصرف پر قادر نہیں ہو سکتی؛ اس لیے اس کو اصل نکاح سے جاہل رہنے کی صورت میں معذور قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا کہ جب بھی اصل نکاح کا علم ہوگا، خیارِ بلوغ حاصل ہوگا۔

صغیرہ کے لیے علم بالنکاح کی تو شرط لگائی ہے؛ لیکن علم بالخیار کی شرط نہیں لگائی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صغیرہ کو یہ تو معلوم ہے کہ میرا نکاح ہو چکا؛ لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ بالغ ہونے کے بعد شریعت نے مجھے خیارِ بلوغ کا حق دیا ہے۔ تو اس کو خیارِ بلوغ کے نہ جاننے کے سلسلے میں معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ دارالاسلام دارالعلم ہے یعنی پڑھنے پڑھانے کے مواقع ہیں۔ اور آزاد ہونے کی وجہ سے یہ صغیرہ بھی احکام شرع کو جاننے اور سیکھنے کے لیے فارغ تھی۔ لہٰذا اس کا جہل معتبر نہیں ہوگا اور ہم اس کو معذور نہیں سمجھیں گے۔ اس کے برخلاف اگر کسی آدمی کے پاس باندی ہے اور اس مالک نے اپنی باندی کا نکاح کسی شخص سے کر دیا پھر مالک نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا اور باندی کو آزاد ہونے کے بعد یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے کہ مجھ کو خیارِ عتق کے تحت نکاح فسخ کر دینے کا حق ہے، پس آزاد ہونے کے بعد معتقہ کا سکوت رضامندی نہیں ہوگا؛ بلکہ معلوم ہونے تک خیارِ عتق رہے گا۔

دلیل: یہ ہے کہ باندی مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے احکام شرع سیکھنے کے لیے اپنا وقت فارغ نہیں کر سکتی تھی؛ اس لیے باندی کو خیارِ عتق سے ناواقف رہنے میں معذور سمجھا جائے گا اور اس کو خیارِ عتق رہے گا۔

محل امتحان نمبر ۱۳، ہدایہ ثانی ۳۱۹/

(الف) عبارت بااعراب: وَإِذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَجْنُونَةِ أَبُوهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِيُّ فِي إِنْكَاحِهَا إِبْنُهَا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ أَبُوهَا لِأَنَّهُ أَوْفَرُ شَفَقَةً لَهُمَا إِنَّ الْابْنَ هُوَ الْمُقَدَّمُ فِي الْعُصُوبَةِ وَهٰذِهِ الْوِلَايَةُ مَبْنِيَّةٌ عَلَيْهَا وَلَا مُعْتَبَرَ بِزِيَادَةِ الشَّفَقَةِ كَأَبِ الْأُمِّ مَعَ بَعْضِ الْعَصَبَاتِ۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھتے ہوئے شیخینؒ اور امام محمدؒ کے دلائل کی اچھی طرح وضاحت کریں (ج) امام محمدؒ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے کاب الأم الخ کو مثال سے واضح کریں۔

جواب

ترجمہ: اور جب مجنونہ عورت میں مجنونہ کا باپ اور مجنونہ کا بیٹا دونوں جمع ہو جائیں تو اس کا نکاح کرانے کے سلسلے میں ولی کا بیٹا ہوگا شیخینؒ کے قول میں اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ولی، اس کا باپ ہوگا؛ اس لیے کہ باپ شفقت میں بیٹے سے بڑھا ہوا ہے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بیٹا عصبہ میں مقدم ہے اور یہ ولایت اسی پر مبنی ہے اور شفقت کی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے جیسے ماں کا باپ (نانا) بعض عصبات کے ساتھ۔

(ب) مطلب اور شیخینؒ و امام محمدؒ کے دلائل کی وضاحت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مجنونہ کا بیٹا ہو اور باپ بھی، تو ولایتِ انکاح کسے ہے؟ یعنی کون نکاح کرانے کا حقدار ہوگا، شیخین کے نزدیک ولایت انکاح بیٹے کو حاصل ہوگی نہ کہ باپ کو اور امام مالکؒ واحمدؒ کا بھی قول یہی قول ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک ولایت انکاح باپ کو حاصل ہوگی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

امام محمدؒ کی دلیل: یہ ہے کہ باپ کی شفقت بیٹے کی شفقت سے زیادہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ باپ کو مجنونہ کے نفس اور مال دونوں میں ولایت ہے اور بیٹے کو صرف نفس میں ولایت ہے، لہٰذا باپ کی شفقت بیٹے کی شفقت سے زیادہ ہے۔

اور اس ولایت کا دارومدار شفقت پر ہے، لہٰذا باپ کو ہی ولایت انکاح حاصل ہوگی۔

شیخینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عصبہ ہونے میں بیٹا ہی مقدم ہے؛ کیوں کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے باپ کو صرف چھٹا حصہ ملے گا اور بیٹا عصبہ ہوگا اور ولایت کا دارومدار عصبہ ہونے پر ہے، لہٰذا بیٹے کی موجودگی میں بیٹے کو ہی ولایت انکاح ہوگی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ج) امام محمدؒ کی دلیل کا جواب کاب الأم الخ کی مثال سے وضاحت:

ولا معتبر الخ امام محمدؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حق ولایت کا مدار عصبہ ہونا ہے نہ کہ زیادتی شفقت جیسے ماں کا باپ (نانا) بعض عصبات کے ساتھ مثلاً ایک عورت کا نانا موجود ہے اور چچا کے بیٹے کا بیٹا موجود ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ نانا کی شفقت بڑھی ہوئی ہے؛ لیکن زیادتی شفقت کے باوجود ''عصبہ،، اور ''ولی،، چچیرا بھتیجہ یعنی چچا کے لڑکے کا لڑکا ہی رہا تو معلوم ہوا کہ اعتبار عصبہ ہونا ہے نہ کہ زیادتی شفقت جیسا کہ امام محمدؒ نے خیال کیا ہے۔

محل امتحان نمبر ۱۴، ہدایہ ثانی ۳۲۲/

(الف) عبارت بااعراب: وَكَذٰلِكَ لَوْزَوَّجَ رَجُلٌ إمْرَأَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا أَوْ رَجُلاً بِغَيْرِ رِضَاهُ (أي موقوف) وهٰذا عِنْدَنَا فَإنَّ كُلَّ عَقْدٍ صَدَرَ مِنَ الْفُضُولِي وَلَهُ مُجِيْزٌ اِنْعَقَدَ مَوْقُوْفًا عَلَى الْإجَازَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَصَرُّفَاتُ الْفُضُولِيِّ كُلُّهَا بَاطِلَةٌ لِأَنَّ الْعَقْدَ وُضِعَ لِحُكْمِهِ وَالْفُضُولِيُّ لَا يَقْدِرُ عَلٰى إثْبَاتِ الْحُكْمِ فَتَلْغُوْ وَلَنَا أَنَّ رُكْنَ التَّصَرُّفِ صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ مُضَافًا إلٰى مَحِلِّهِ وَلَا ضَرَرَ فِي اِنْعِقَادِهِ فَيَنْعَقِدُ مَوْقُوْفًا حَتّٰى إذَا رَأَى مَصْلِحَةً فِيْهِ يُنَفِّذُهُ وقد يتراخىٰ حُكْمُ العقد عَنِ الْعَقْدِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی وضاحت کریں

(ج) فضولی کی تعریف اور ولہ مجیز کی قید کا فائدہ ذکر کریں۔

جواب

ترجمہ: اور اسی طرح ہے اگر کسی آدمی نے کسی عورت کا نکاح کر دیا اس کی رضا مندی کے بغیر یا کسی مرد کا نکاح کر دیا اس کی رضا مندی کے بغیر، یعنی موقوف ہوگا اور یہ ہمارے نزدیک ہے؛ اس لیے کہ ہر وہ عقد جو فضولی سے صادر ہو اور اس کی کوئی اجازت

Website:MadarseWale.blogspot.com

دینے والا ہو تو عقد اجازت پر موقوف ہو کر منعقد ہو جائے گا اور امام شافعیؒ نے فرمایا فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں؛ اس لیے کہ عقد کو اس کے حکم کے لیے وضع کیا گیا ہے اور فضولی اثبات حکم کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ تصرف لغو ہوگا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تصرف کا رکن، اس کے اہل سے صادر ہوا ہے اس کے محل کی جانب مضاف ہو کر، اور اس کے منعقد کرنے میں کوئی ضرر نہیں ہے، لہٰذا موقوف ہو کر منعقد ہو جائے گا، یہاں تک کہ اگر وہ اس میں کوئی مصلحت دیکھتے تو نافذ کر دے اور کبھی عقد کا حکم عقد سے مؤخر ہو جاتا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) عبارت کی وضاحت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر فضولی کسی مرد یا عورت کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیا تو ہمارے نزدیک نکاح منعقد ہو جائے گا؛ لیکن اس کی اجازت پر موقوف ہوگا؛ کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جو بھی عقد فضولی کرے خواہ وہ نکاح کا ہو یا بیع کا۔ اگر اس عقد و تصرف کی اجازت دینے والا کوئی ہے تو وہ عقد اجازت پر موقوف ہو کر منعقد ہو جائے گا؛ لیکن امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عقد تو اپنے حکم کے لیے وضع ہوا ہے اور فضولی حکم ثابت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کے عقد کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ تصرف کا رکن یعنی نکاح کا رکن اور وہ ایجاب وقبول ہے تصرف کے اہل سے یعنی عاقل و بالغ سے صادر ہوا ہے اور تصرف کے محل کی جانب منسوب ہے یعنی وہ محرمات میں سے نہیں ہے تو کوئی ضرر نہیں ہے اگر عقد کو موقوف کر کے منعقد کر دیا جائے، تو ہاں ضرر اس وقت ہو سکتا تھا جب کہ اسے لازم کر دیا جائے اور ہم نے لازم کیا نہیں؛ بلکہ اس کے صواب دید پر چھوڑ دیا کہ مصلحت سمجھے تو نافذ کر دے؛ ورنہ رد کر دے۔

قولہ وقد یتراخی عنہ: امام شافعیؒ کے قول کا جواب ہے انہوں نے فرمایا تھا کہ عقد اس کے حکم کے لیے وضع کیا گیا ہے اور فضولی حکم کے ثابت کرنے پر قادر نہیں ہے اس

Website:MadarseWale.blogspot.com

کا جواب یہ ہے کہ بات آپ کی مسلّم ہے؛ لیکن یہاں حکم معدوم نہیں ہے؛ بلکہ اجازت پر موقوف ہے اور حکم کبھی عقد سے مؤخر ہو جاتا ہے جیسے کسی نے خیارِ شرط پر بیع کیا تو یہاں بیع کا حکم خیارِ شرط پر معلق ہے اسی طرح یہاں بھی حکم پایا جارہا ہے؛ البتہ اجازت پر معلق ہے، لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ فضولی حکم کے اثبات پر قادر نہیں ہے درست نہیں ہے؛ بلکہ وہ قادر ہے؛ البتہ اجازت پر معلق ہے۔

(ج) فضولی کی تعریف اور ولہ مجیز کی قید کا فائدہ:

ولہ مجیز: سے مراد وہ شخص ہے جس کو عقد کے نفاذ پر قدرت ہو اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ جس کو نفاذ پر قدرت نہ ہو اس کا عقد موقوف نہیں ہوگا؛ بلکہ باطل ہو جائے گا جیسا کہ کوئی یتیم بچہ ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو اور اس کا فضولی نے نکاح کر دیا تو عقد باطل ہے اسی طرح فضولی نے کسی ایسے شخص کا جس کے تحت آزاد عورت ہے۔ باندی سے نکاح کر دیا تو عقد باطل ہے؛ کیوں کہ اس شخص کو نافذ کرنے پر قدرت نہیں ہے۔

فضولی کی تعریف: الفضولی هو من لا یکون أصلا ولا ولیّاً ولا وکیلًا.

(بین السطور ہدایہ ثانی: ص/۳۲۲)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۱۵، ہدایہ ثانی/۳۲۴

(الف) عبارت با اعراب: وَلَوْ سَمّٰى اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ فَلَهَا العَشَرَةُ وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا تَجِبُ خَمْسَةٌ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ وَعِنْدَ زُفَرَ تَجِبُ الْمُتْعَةُ وَمَنْ سَمّٰى مَهْراً عَشَرَةً فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ الْمُسَمّٰى إنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا لِأَنَّهُ بِالدُّخُوْلِ يَتَحَقَّقُ تَسْلِيْمُ الْمُبْدَلِ وَبِهٖ يَتَأَكَّدُ الْبَدَلُ وَبِالْمَوْتِ يَنْتَهِي النِّكَاحُ نِهَايَتَهُ وَالشَّيُّ بِانْتِهَائِهٖ يَتَقَرَّرُ وَيَتَأَكَّدُ فَيَتَقَرَّرُ بِجَمِيْعِ مَوَاجِبِهٖ.

Website:MadarseWale.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) یہاں متعہ سے کیا مراد ہے؟ اس کو لکھ کر مسئلہ کی مکمل وضاحت اور اختلافِ ائمہ دلائل کے ساتھ واضح کریں۔

جواب

ترجمہ: اور اگر (عقد میں مہر) دس درہم سے کم متعین کیا تو عورت کے لیے دس درہم ہوں گے اور اگر مرد نے اس عورت کے ساتھ دخول سے پہلے طلاق دیدی تو ہمارے علماء ثلاثہ کے نزدیک پانچ درہم واجب ہوں گے۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک متعہ واجب ہوگا اور جس شخص نے (مہر) دس درہم یا زیادہ مقرر کیا تو اس پر مسمّٰی ہے۔ اگر اس نے بیوی کے ساتھ دخول کیا یا اس کو چھوڑ کر مر گیا؛ اس لیے کہ دخول کی وجہ سے مبدل کو سپرد کرنا متحقق ہوگیا اور اسی (بضع کی سپردگی) سے بدل مؤکد ہوتا ہے اور موت سے نکاح اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور شئ اپنی انتہاء سے متقرر اور مؤکد ہو جاتی ہے، پس (نکاح) اپنے تمام احکام کے ساتھ متقرر اور مؤکد ہوگا۔

(ب) متعہ سے کیا مراد ہے؟ اور مسئلہ کی مکمل وضاحت اور اختلافِ ائمہ مع دلائل:

یہاں متعہ سے مراد متعہ اصطلاحی ہے۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ کسی آدمی نے نکاح کے وقت اپنی بیوی کا مہر دس درہم سے کم ٹھہرایا تو اس صورت میں ہمارے نزدیک عورت کے لیے دس درہم ہوں گے؛ لیکن اگر اسی صورت میں شوہر نے اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دیدی یعنی بیوی سے ہمبستری کی نوبت نہیں آئی اس سے پہلے ہی شوہر نے بیوی کو طلاق دیدی تو احناف کے نزدیک شوہر پر عورت کے لیے پانچ درہم واجب ہوں گے اور امام زفرؒ کے نزدیک عورت کے لیے متعہ واجب ہوگا۔

امام زفرؒ کی دلیل: قیاس ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی چیز کو مہر بنانا جو مہر بننے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو وہ عدمِ تسمیہ کے مانند ہے گویا کہ اس نے مہر مقرر کیا ہی نہیں اور عدمِ تسمیہ کی صورت میں؛ چوں کہ مہر مثل واجب ہوتا ہے اور یہاں بھی؛ چوں کہ ان کے

Website:MadarseWale.blogspot.com

نزدیک مہر متعین کرنا صحیح نہیں ہوا تو ان کے نزدیک اس صورت میں بھی مہر مثل واجب تھا؛ لیکن مہر مثل کی صورت میں اگر طلاق قبل الدخول واقع ہو جائے تو متعہ واجب ہوتا ہے، لہٰذا یہاں بھی متعہ واجب ہوگا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ہماری دلیل: اس مسئلہ میں یہ ہے کہ دس درہم سے کم کے تسمیہ کا فساد شریعت کی حق کی وجہ سے تھا اور شریعت کا حق دس درہم سے پورا ہو جاتا ہے، لہٰذا دس درہم پورے کردیئے جائیں گے۔ زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اب دس درہم مسمّٰی ہو گیا اور چوں کہ مسمّٰی کی صورت میں اگر دخول سے پہلے طلاق ہو جائے تو مسمّٰی کا نصف واجب ہوتا ہے اور یہاں یہی صورت ہے، لہٰذا پانچ درہم جو مسمّٰی یعنی دس درہم کا نصف ہے واجب ہوگا۔ متعہ واجب نہیں ہوگا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کا مہر دس درہم یا زیادہ مقرر کیا۔ پھر اس کے بعد شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا یا میاں بیوی میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو ان دونوں صورتوں میں شوہر پر کل مسمّٰی یعنی دس درہم یا زیادہ جو بھی شوہر نے متعین کیا ہے واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ دخول کی وجہ سے مبدل یعنی بضع کا سپرد کرنا متحقق ہو گیا یعنی جب شوہر نے بیوی کے ساتھ دخول کرلیا تو بیوی نے اپنا، بضع جو کہ مہر کا مبدل ہے شوہر کے حوالہ کردیا اور مبدل کے سپرد کرنے سے بدل واجب ہوتا ہے، لہٰذا شوہر پر بضع کا بدل جو کہ مہر ہے شوہر کے ذمہ واجب ہوگا۔ اور احد الزوجین میں سے کسی کے انتقال کے بعد شوہر پر کل مسمّٰی واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ موت کی وجہ سے شی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور شی اپنی انتہاء کو پہنچ کر متقرر اور مؤکد ہو جاتی ہے یعنی تغیر کے قابل نہیں رہتی، پس نکاح اپنے تمام احکام اور مواجب کے ساتھ ثابت ہوگا۔ اور نکاح کے احکام میں سے ایک مہر بھی ہے، لہٰذا موت کی وجہ سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا اور شوہر کے ذمہ کل مسمّٰی واجب ہوگا۔

محل امتحان نمبر ۱۶، ہدایہ ثانی ۳۲۴/

Website:MadarseWale.blogspot.com

(الف) عبارت بااعراب: وَإِذَا خَلاَ الْمَجْبُوبُ بِامْرَأَتِهِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالاَ عَلَيْهِ نِصْفُ الْمَهْرِ لِأَنَّهُ أَعْجَزُ مِنَ الْمَرِيضِ بِخِلاَفِ الْعِنِّينِ لِأَنَّ الْحُكْمَ أُدِيرَ عَلَى سَلاَمَةِ الْآلَةِ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمُستحقَّ عَلَيْهَا التَّسْلِيمُ فِي حَقِّ السَّحْقِ وَقَدْ أَتَتْ بِهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مجبوب اور عنین کی مراد لکھ کر عبارت کی مکمل تشریح کریں (ج) تفریق کی صورت میں مجبوب کی بیوی پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں۔

جواب

ترجمہ: اور جب مقطوع الذکر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی پھر اس کو طلاق دیدی تو عورت کے لیے کمالِ مہر ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مرد پر نصف مہر واجب ہے؛ کیوں کہ وہ مریض کے مقابلے میں زیادہ عاجز ہے، برخلاف عنین کے؛ اس لیے کہ حکم آلہ کی سلامتی پر دائر کیا گیا ہے اور (امام) ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت پر سحق یعنی (رگڑنے) پر قدرت دینا واجب ہے اور وہ اس کو لائی۔

(ب) مجبوب اور عنین کی مراد اور عبارت کی تشریح:

المراد من المجبوب هو مقطوع الذكر والخصيتين یعنی مجبوب وہ شخص ہے جس کے ذکر اور خصیتین کاٹ دیئے گئے ہیں۔ وفی فتح القدیر: المحبوب هو الذى استؤصل ذكره وخصياه. (فتح القدیر: ج ۳، ص ۳۲۱)

المراد من العين هو من لا يقدر على الجماع مطلقا مع وجود الآلة أو يقدر على الثيب دون البكر.

یعنی وہ شخص جو مطلقاً جماع پر قدرت نہ رکھے آلہ کے پائے جانے کے باوجود یا

Website:MadarseWale.blogspot.com

قدرت تو رکھتا ہو ثیبہ کے ساتھ نہ باکرہ کے ساتھ۔

عبارت کی تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مقطوع الذکر کی خلوت صحیح ہے یا فاسد تو امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ خلوت صحیح ہے یعنی اگر مقطوع الذکر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی اور پھر طلاق دے دی تو عورت کے لیے کامل مہر واجب ہوگا اور یہ خلوتِ صیحہ کہلائے گی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ خلوت فاسد ہے، لہٰذا اگر طلاق دیدی تو نصف

Website:MadarseWale.blogspot.com

مہر واجب ہوگا نہ کہ پورا مہر۔

Website:NewMadarsa.blogspot.com

صاحبینؒ کی دلیل: قیاس ہے انہوں نے مقطوع الذکر کو مریض پر قیاس کیا ہے یعنی مقطوع الذکر مریض کے مقابلہ میں زیادہ عاجز ہے؛ کیوں کہ مریض کبھی نہ کبھی جماع پر قادر ہوسکتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود اگر خلوت پائی گئی تو نصف مہر ہی واجب نہ ہوگا نہ کہ پورا مہر واجب ہوگا اور مقطوع الذکر جماع پر بالکل قدرت نہیں رکھتا؛ کیوں کہ اس کے پاس آلہ نہیں ہے تو یہاں بدرجۂ اولیٰ نصف مہر واجب ہوگا اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عنین اس کے خلاف ہے یعنی اگر عنین نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی تو خلوت صحیح مانی جائے گی اور پورا مہر واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ حکم سلامتِ آلہ پر دائر کیا جاتا ہے اور مقطوع الذکر کا آلہ ہی نہیں ہے، پس عنین اور مقطوع الذکر میں فرق واضح ہے، لہٰذا ان دونوں کے حکم میں بھی فرق ہوگا کہ عنین کی خلوت، خلوتِ صحیحہ ہے اور مقطوع الذکر کی خلوت، خلوتِ فاسدہ ہے، لہٰذا مقطوع الذکر پر نصف مہر واجب ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عورت پر بضع کا سپرد کرنا واجب ہے رگڑ نے کے حق میں اور یہی عورت کی قدرت میں ہے، پس عورت پر جو واجب تھا عورت نے اس کو پورا کردیا، لہٰذا مرد پر کامل مہر اجب ہوگا اور خلوت، خلوتِ صحیحہ مانی جائے گی۔

(ج) تفریق کی صورت میں مجبوب کی بیوی پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں؟

تفریق کی صورت میں مجبوب کی بیوی پر عدت خلافِ قیاس احتیاطاً اور استحسانا

Website:MadarseWale.blogspot.com

واجب ہوگی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں رحم کے مشغول ہونے کا وہم ہے اور وہم کی بنیاد ہے کہ شاید گڑنے کی وجہ سے منی بہہ کر رحم میں پہنچ گئی ہو، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ عدت مجبوب کی بیوی پر واجب کر دی جائے۔

محل امتحان نمبر ۱۷، ہدایہ ثانی ۳۲۶/۱

(الف) عبارت بااعراب: وَتُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إِلَّا مُطَلَّقَةً وَاحِدَةً وَهِيَ الَّتِي طَلَّقَهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَقَدْ سَمّٰى لَهَا مَهْراً وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَجِبُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إِلَّا لِهٰذِهِ لِأَنَّهَا وَجَبَتْ صِلَةً مِنَ الزَّوْجِ لِأَنَّهُ أَوْحَشَهَا بِالْفِرَاقِ إِلَّا أَنَّ فِي هٰذِهِ الصُّوْرَةِ نِصْفَ الْمَهْرِ طَرِيْقَةُ الْمُتْعَةِ لِأَنَّ الطَّلَاقَ فَسْخٌ فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ وَالْمُتْعَةُ لَا تَتَكَرَّرُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلقہ عورت میں سے کس کو متعہ دینا واجب ہے اور کس کو مستحب احناف کے نزدیک؟ نیز امام شافعیؒ کا اختلاف بھی تحریر کریں (ج) امام شافعیؒ کی دلیل صاحبِ ہدایہؒ کے بیان کے مطابق لکھ کر احناف کی دلیل لکھیں، نیز امام شافعیؒ کا جواب بھی تحریر کریں (د) متعہ میں کتنے کپڑے دیئے جائیں گے اور کتنی قیمت کے ہوں گے اس کو بھی سپردِ قرطاس کریں۔

جواب

ترجمہ: متعہ مستحب ہر مطلقہ کے لیے سوائے ایک مطلقہ کے اور وہ عورت ہے جس کو شوہر نے طلاق دی ہو اس سے دخول کرنے سے پہلے اور اس نے اس کے لیے مہر مقرر کر دیا ہو اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ متعہ ہر مطلقہ کے لیے واجب ہے سوائے اس مطلقہ کے؛ اس لیے کہ متعہ واجب ہوا ہے شوہر کی جانب سے بطور صلہ کے؛ اس لیے کہ اس نے عورت کو جدائی کے ذریعہ وحشت زدہ کر دیا ہے؛ مگر اس صورت میں نصف مہر متعہ

Website:MadarseWale.blogspot.com

کا طریق ہے؛ اس لیے کہ طلاق اس حالت میں فسخ ہے اور متعہ مکرر ہوتا نہیں۔

(ب) مطلقہ عورت میں سے کس کو متعہ دینا واجب ہے اور کس کو مستحب احناف کے نزدیک؟ نیز امام شافعیؒ کا اختلاف:

احناف کے نزدیک دو کو متعہ دینا مستحب ہے اور ایک کو واجب ہے اور ایک کو نہ مستحب اور نہ واجب اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ: (۱) کسی عورت سے بغیر مہر کے نکاح ہوا اور طلاق قبل الدخول ہوگئی تو متعہ واجب ہے (۲) طلاق قبل الدخول ہوئی اور عقد کے وقت مہر مقرر ہو چکا تھا تو نہ مستحب ہے اور نہ واجب ہے اور (۳) طلاق بعد الدخول ہوئی اور عقد کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو متعہ مستحب ہے (۴) طلاق بعد الدخول ہوئی اور مہر عقد کے وقت مقرر ہو چکا تھا تو متعہ مستحب ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس مطلقہ کے لیے جس کو طلاق قبل الدخول ہوئی اور مہر اس کا مقرر نہ ہو، متعہ واجب ہے اور وہ عورت جو مطلقہ غیر مدخول بہا مسمّٰی لہا ہو اس کے لیے نہ مستحب ہے نہ واجب اور مابقی دونوں میں بھی متعہ واجب ہے۔

(ج) امام شافعیؒ کی دلیل صاحبِ ہدایہؒ کے بیان کے مطابق، نیز امام شافعیؒ کا جواب:

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ مرد نے اسے طلاق دے کر وحشت زدہ کر دیا، لہٰذا وحشت دور کرنے کے لیے متعہ واجب ہوگا؛ البتہ وہ عورت جو مطلقہ غیر مدخول بہا مسمّٰی لہا ہو اس کے لیے متعہ نہیں ہے؛ کیوں کہ نصف مہر متعہ کے قائم مقام ہے؛ اس لیے طلاق فسخ ہے اس حالت میں؛ کیوں کہ معقود علیہ عورت کی جانب محفوظ طریقہ پر واپس ہوگیا ہے اور اس کا تقاضہ ہے کہ بالکل ہی مہر ساقط ہو جائے؛ لیکن شریعت نے متعہ کے طریق پر نصف مہر لازم کر دیا اور متعہ مکرر نہیں ہوتا، لہٰذا اس مطلقہ کے لیے بھی الگ سے کوئی متعہ نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ نصف مہر ہی متعہ کے درجہ میں ہوگا۔ (فتح القدیر حاشیہ: ج ۳، ص ۳۲۳)

Website:MadarseWale.blogspot.com

احناف کی دلیل: یہ ہے کہ متعہ مہر مثل کا خلیفہ ہے مفوضہ میں یعنی جس عورت نے نکاح کیا بغیر مہر کے پھر طلاق قبل الدخول ہوگئی تو مہر مثل ساقط ہوگیا اور متعہ اس کے قائم مقام ہوگیا، لہٰذا ایسی عورت کے لیے تو متعہ واجب ہوگا؛ کیوں کہ کوئی بھی عقد عوض سے خالی نہیں ہوتا لقولہ تعالی: ان تبتغوا باموالکم اور یہ بھی واضح رہے کہ خلف اصل کے ساتھ اور اصل کے جزء کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا جہاں بھی مہر لازم ہوگا خواہ کل ہو یا بعض ہو وہاں متعہ بطریق وجوب نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ آپ نے متعہ کو اس وجہ سے واجب قرار دیا کہ اس نے عورت کو وحشت زدہ کر دیا حالانکہ اس کو وجوب متعہ کی دلیل بنانا درست نہیں ہے؛ اس لیے اس نے بصورت طلاق اپنا وہ حق استعمال کیا ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے، لہٰذا اپنے حق کے استعال کی وجہ سے اس پر بطور تاوان متعہ واجب نہیں ہوگا، ہاں! متعہ دینا تفضّل یعنی استحباب کے قبیل سے ہوگا خود اللہ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾۔

(د) متعہ میں کتنے کپڑے دیئے جائیں گے اور کتنی قیمت کے ہوں گے؟

متعہ میں تین کپڑے دیئے جائیں گے (۱) کرتہ (۲) اوڑھنی (۳) چادر اور اس کی قیمت پانچ درہم سے کم اور نصف مہر سے زیادہ نہ ہو۔

ملحوظہ: عبارت میں استثناء اس مطلقہ کا ہے جس کے لیے متعہ نہ مستحب ہے اور نہ واجب۔

اب اگر یہ اعتراض ہو کہ ایک مطلقہ کے لیے تو متعہ واجب ہے اور تُستحبُ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ مستحب ہے نہ کہ واجب؟ جواب یہ ہے کہ تستحب اس مطلقہ کو شامل نہیں ہے جس کے لیے متعہ واجب ہے؛ کیوں کہ مصنف نے اس حکم اس سے پہلی عبارتوں میں بیان کر دیا ہے، دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مستحب یہاں پر واجب سے عام ہے، لہٰذا استحباب کے کہنے سے وجوب کی نفی نہ ہوگی۔ (فتح القدیر)

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۱۸، ہدایہ ثانی ۱۴۳۲ھ

(الف) عبارت با اعراب: وَإِذَا فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا، لِأَنَّ الْمَهْرَ فِيهِ لَا يَجِبُ بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ لِفَسَادِهِ، وَإِنَّمَا يَجِبُ بِاسْتِيفَاءِ مَنَافِعِ الْبُضْعِ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَلَا يُزَادُ عَلَى الْمُسَمّٰى عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ هُوَ يَعْتَبِرُ بِالْبَيْعِ الْفَاسِدِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے بتائیں کہ اگر خلوت کے بعد قاضی نے زوجین میں تفریق کر دی تو مہر واجب ہوگا یا نہیں؟ مدلل لکھیں (ج) امام زفرؒ کی دلیل کی تفصیل مع اس کے جواب لکھیں۔

جواب

ترجمہ: اور جب قاضی نے زوجین کے درمیان تفریق کر دی نکاح فاسد میں دخول سے پہلے تو عورت کے لیے مہر نہیں ہوگا؛ اس لیے مہر نکاح فاسد میں محض عقد سے واجب نہیں ہوتا عقد کے فاسد ہونے کی وجہ سے اور مہر منافع بضع کے حاصل کر لینے سے ہی واجب ہوتا ہے پھر اگر اس نے عورت کے ساتھ دخول کر لیا تو اس کے لیے مہر مثل ہوگا اور اسے مسمّٰی سے زائد نہیں کیا جائے گا ہمارے نزدیک، برخلاف امام زفرؒ کے، وہ بیع فاسد پر قیاس کرتے ہیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) عبارت کی وضاحت، نیز اگر خلوت کے بعد قاضی نے زوجین میں تفریق کر دی تو مہر واجب ہوگا یا نہیں؟

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے نکاح فاسد کیا مثلاً آزاد عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا یا چوتھی عورت کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرنا

Website:MadarseWale.blogspot.com

وغیرہما، اور ابھی دخول نہیں ہوا تھا کہ قاضی نے تفریق کر دی تو عورت کو مہر نہیں ملے گا؛ کیوں کہ نکاح فاسد میں مہر فقط دخول سے واجب ہوتا ہے "لقوله عليه السلام ايما امرءة نكحت نفسها بغير اذن وليها فنكاحها باطل فان دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها،، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح باطل میں دخول سے مہر واجب ہوگا نہ کہ محض عقد اور خلوت سے۔

اسی طرح اگر تفریق خلوت کے بعد ہو تب بھی مہر واجب نہ ہوگا؛ اس لیے کہ اس خلوت میں دخول پر قدرت حاصل نہیں ہے مانع شرعی کی وجہ سے اور وہ یہ کہ شریعت نے ایسے نکاح میں وطی کو حرام کیا ہے، لہٰذا یہ خلوت وطی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی؛ بلکہ یہ خلوت ایسی ہوگئی جیسے حائضہ عورت کے ساتھ خلوت ہو۔

فان دخل: لیکن اگر اس نے عورت کے قُبُل میں وطی کرلی تو ہمارے نزدیک عورت کے لیے ایسا مہر مثل ہوگا جو مسمّٰی سے زائد نہ ہو برخلاف امام زفرؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ مطلق مہر مثل واجب ہوگا خواہ مسمّٰی سے کم ہو یا زیادہ اور وہ اسے بیع فاسد پر قیاس کرتے ہیں کہ مثلاً مشتری نے بائع سے بیع فاسد میں غلام خریدلیا اور چوں کہ یہ بیع فاسد ہے؛ اس لیے مشتری پر غلام لوٹانا ضروری تھا؛ لیکن لوٹانے سے قبل مشتری نے اسے تلف کردیا تو اب مبیع کے لوٹانے سے عاجز ہونے کی وجہ سے مشتری پر اس غلام کی قیمت لازم ہوگی خواہ وہ قیمت آپس میں متعین کیے ہوئے ثمن سے زیادہ یا کم اسی طرح نکاح فاسد میں بھی مہر مثل ہوگا خواہ مسمّٰی سے زائد ہو یا کم۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۱۸۱)

ہماری دلیل: یہ ہے کہ منافع بضع مال نہیں ہے؛ لیکن نکاح کے وقت مہر کے ذکر کی وجہ سے متقوم ہوگیا پھر جب مسمّٰی مہر مثل سے زیادہ ہوگیا تو زیادتی واجب نہیں ہے؛ کیوں کہ مہر مثل سے زیادہ کا تسمیہ درست نہیں، لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا اور زیادتی ساقط ہوجائے گی۔ اور اگر تسمیہ مہر مثل سے کم ہوگیا تو مسمّٰی ہی واجب ہوگا اس سے زیادہ واجب نہ ہوگا؛ کیوں کہ مہر مثل اور مسمّٰی کے درمیاں جو مقدار ہے اس میں تسمیہ نہیں پایا گیا؛ اس

Website:MadarseWale.blogspot.com

لیے تسمیہ سے زیادہ درست نہ ہوگا اور اس لیے بھی کہ وہ عورت مہر مثل سے کم پر راضی ہے،
لہٰذا تسمیہ سے زیادہ کا حق ساقط ہو جائے گا۔

(ج) امام زفرؒ کی دلیل کی تفصیل مع جواب:

امام زفرؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کا بیع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے؛ کیوں کہ بیع فاسد کے اندر عوض فی نفسہ مال ہے، لہٰذا اس کا اندازہ قیمت سے لگایا جائے گا خواہ کتنی بھی قیمت ہو جائے بالغاً ما بلغ، اور نکاح فاسد کے اندر عوض ایسی شئی ہے جو فی نفسہ مال نہیں ہے یعنی منافع بضع، تو دونوں مسئلے ہی جدا جدا ہیں ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۱۹، ہدایہ ثانی ۳۳۷/

(الف) عبارت بااعراب: وَمَنْ بَعَثَ إِلٰى اِمْرَأَتِهٖ شَيْئًا فَقَالَتْ هُوَ هَدِيَّةٌ وَقَالَ الزَّوْجُ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ لِأَنَّهٗ هُوَ الْمُمَلِّكُ فَكَانَ أَعْرَفَ بِجِهَةِ التَّمْلِيْكِ كَيْفَ وَأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهٗ يَسْعٰى فِي إِسْقَاطِ الْوَاجِبِ إِلَّا فِي الطَّعَامِ الَّذِيْ يُؤْكَلُ فَإِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُهَا وَالْمُرَادُ مِنْهُ مَا يَكُوْنُ مُهَيَّأً لِلْأَكْلِ لِأَنَّهٗ يُتَعَارَفُ هَدِيَّةً فَأَمَّا فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ لِمَا بَيَّنَّا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھیں مذکورہ مسائل کو دلائل سے سمجھائیں (ج) حنطہ اور شعیر کی شکل میں شوہر کا قول کیوں معتبر ہوگا مدلل لکھیں۔

جواب

ترجمہ: اور جس شخص نے اپنی بیوی کے پاس کوئی چیز بھیجی تو بیوی نے کہا وہ ہدیہ ہے اور شوہر نے کہا کہ وہ مہر ہے تو قول شوہر کا قول ہے؛ اس لیے کہ وہ مالک بنانے والا ہے، پس وہ مالک بنانے کی جہت سے زیادہ واقف ہے کیسے (شوہر کا قول معتبر

Website:MadarseWale.blogspot.com

نہیں ہوگا) جب کہ ظاہر یہی ہے کہ وہ واجب کو ساقط کرنے کی کوشش کرے گا؛ مگر اس کھانے میں جسے کھایا جاتا ہے عورت کا قول معتبر ہوگا اور مراد طعام سے وہ کھانا ہے جو کھانے کے لیے تیار کیا گیا ہو؛ کیوں کہ وہ ہدیہ کے طور پر متعارف ہوا ہے، بہر حال گیہوں اور جو میں شوہر کا قول معتبر ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔

(ب) مطلب اور مذکورہ مسائل کی دلائل سے تشریح:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کوئی چیز دی اور بیوی نے کہا کہ یہ ہدیہ ہے؛ لیکن شوہر نے کہا کہ نہیں؛ بلکہ میں نے اسے مہر کی نیت سے دیا ہے تو شوہر کا قول کا معتبر ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ وہ (شوہر) اس شئ کا مالک ہے اور اسے اس بات کا زیادہ علم ہے کہ اس نے کس اعتبار سے اسے مالک بنایا ہے، ہدیہ کے اعتبار سے یا مہر کے اعتبار سے؛ چناں چہ جب اس نے کہا کہ مہر کے اعتبار سے دیا ہے تو اسی کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اور کیوں نہ معتبر ہو حالانکہ ظاہراً آدمی سب سے پہلے اپنے ذمہ سے ادائیگی کی کوشش کرتا ہے نہ کہ ذمہ کو چھوڑ کر تبرع اور احسان کرنے لگے؛ البتہ اگر وہ کھانے والی شئ ہے اور زیادہ دن تک باقی نہیں رہتی مثلاً بھنی ہوئی مرغی، بھنا ہوا گوشت، حلوہ وغیرہ تو اس صورت میں بیوی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ ایسے کھانے کو عموماً ہدیہ کے طور پر ہی دیا جاتا ہے تو گویا ظاہرِ حال عورت کی تائید کر رہا ہے؛ اس لیے اس کے قول کا اعتبار ہوگا۔

(ج) حنطہ اور شعیر کی شکل میں شوہر کا قول کیوں معتبر ہوگا؟

اگر تیار کیے ہوئے کھانے کے قبیل سے نہیں ہے اور زیادہ دن تک باقی رہ سکتا ہے مثلاً گیہوں جو، زندہ بکری، آٹا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ ظاہر حاصل شوہر کی تائید کر رہا ہے؛ کیوں کہ ایسا کھانا عموماً ہدیہ نہیں

Website:MadarseWale.blogspot.com

دیا جاتا اور آدمی سب سے پہلے ذمہ کو فارغ کرتا ہے جو ذمہ میں ہوتی ہے سب سے پہلے اس سے فارغ ہونا چاہتا ہے پھر تبرع اور احسان میں لگتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔

محل امتحان نمبر ۲۰، ہدایہ ثانی /۳۳۹

(الف) عبارت با اعراب: وَلَا يَجُوزُ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ إِلَّا بِإِذْنِ مَوْلَاهُمَا وَقَالَ مَالِكٌ يَجُوزُ لِلْعَبْدِ لِأَنَّهُ يَمْلِكُ الطَّلَاقَ فَيَمْلِكُ النِّكَاحَ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ فَهُوَ عَاهِرٌ وَلِأَنَّ فِي تَنْفِيذِ نِكَاحِهِمَا تَعْيِيبَهُمَا إِذِ النِّكَاحُ عَيْبٌ فِيهِمَا فَلَا يَمْلِكَانِهِ بِدُونِ إِذْنِ مَوْلَاهُمَا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھیں (ب) غلام اور باندی کے لیے نکاح کو کس دلیل سے عیب قرار دیا گیا ہے (ج) امام مالکؒ کے قیاس کا جواب بھی تحریر کریں۔

جواب

ترجمہ: غلام اور باندی کا نکاح جائز نہیں ہے؛ مگر دونوں کے مولیٰ کی اجازت سے (جائز ہے) اور امام مالکؒ نے فرمایا غلام کے لیے (نکاح کرنا) جائز ہے؛ اس لیے کہ وہ طلاق کا مالک ہوتا ہے، لہٰذا نکاح کا بھی مالک ہوگا۔ ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ''جس غلام نے بھی اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ زنا کرنے والا ہے اور اس لیے کہ ان دونوں کے نکاح کو نافذ کرنے میں دونوں کو عیب دار بنانا ہے؛ چوں کہ نکاح ان دونوں میں عیب ہے، لہٰذا دونوں اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کے مالک نہیں ہوں گے۔

توضیح: احناف کے نزدیک غلام اور باندی کا نکاح کے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگا؛ بلکہ ان کی اجازت پر موقوف ہوگا، امام مالکؒ کا باندی کے سلسلے میں کوئی

Website:MadarseWale.blogspot.com

اختلاف نہیں ہے؛ البتہ غلام کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ اس کا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر نافذ ہو جائے گا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

نوٹ: عبارت میں **لا یجوز، لا ینفذ** کے درجہ میں ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: یہ ہے کہ غلام چوں کہ طلاق کا مالک ہوتا ہے، لہٰذا نکاح کا بھی مالک ہوگا؛ اس لیے کہ طلاق نام ہے ازالہ نکاح کا، اور ازالۂ نکاح تقاضا کرتا ہے وجود نکاح کا، تو جب وہ ازالۂ طلاق کا مالک ہے جو کہ مسبب ہے تو سبب کا بھی مالک ہوگا اور وہ نکاح ہے۔ (حاشیہ ہدایہ)

ہماری دلیل نقلی: حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس غلام نے بغیر اذنِ مولیٰ کے نکاح کیا تو وہ زانی ہے، اور یہ حدیث حسن ہے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ ان دونوں کے نکاح کو نافذ کرنے کی صورت میں ان دونوں میں عیب پیدا کرنا ہے؛ اس لیے کہ نکاح ان دونوں میں عیب ہے اور مولیٰ کی ملکیت میں بغیر اس کی رضامندی کے عیب پیدا کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

(ب) غلام اور باندی کے لیے نکاح کو کس دلیل سے عیب قرار دیا گیا ہے؟

غلام اور باندی کا نکاح عیب ہے: غلام میں عیب اس وجہ سے ہے کہ غلام کی مالیت اور نفقہ میں محبوس کر جائے گی؛ کیوں کہ نکاح کی وجہ سے غلام پر بیوی کا نفقہ اور سکنیٰ واجب ہوگا۔

اور باندی میں عیب اس لیے ہے کہ نکاح کی وجہ سے اس باندی سے مولیٰ کا استمتاع کرنا حرام ہوگا اور یہ سب مولیٰ کے مال میں تصرف بالفساد ہے، لہٰذا بغیر اذن کے نکاح نافذ نہیں ہوگا۔

(ج) امام مالکؒ کے قیاس کا جواب:

امام مالکؒ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ غلام طلاق کا مالک اس وجہ سے ہے کہ طلاق دفع ضرر سے اثبات ضرر یعنی نکاح مالک ہونا لازم نہیں آتا مثلاً زہر کا علاج کرنے کا تو

Website:MadarseWale.blogspot.com

مالک ہے؛ لیکن زہر کے کھانے کا اختیار نہیں ہے۔ (فتح القدیر: ج ۳، ص ۳۶۹)

نوٹ: اور طلاق دفعِ ضرر اس لیے ہے کہ نکاح کی وجہ جو عیب غلام میں پیدا ہو گیا ہے طلاق اس کو ختم کرنے والا ہے۔

محل امتحان نمبر ۲۱، ہدایہ ثانی ۳۴۲

(الف) عبارت بااعراب: وَإِذَا تَزَوَّجَ أَمَةً فَالْإِذْنُ فِي الْعَزْلِ إِلَى الْمَوْلٰى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ أَنَّ الْإِذْنَ إِلَيْهَا لِأَنَّ الْوَطْيَ حَقُّهَا حَتّٰى ثبت لَهَا وِلَايَةُ الْمُطَالَبَةِ وَفِي الْعَزْلِ تَنْقِيصُ حَقِّهَا فَيُشْتَرَطُ رِضَاهَا كَمَا فِي الْحُرَّةِ بِخِلَافِ الْأَمَةِ الْمَمْلُوكَةِ لِأَنَّهُ لَا مُطَالَبَةَ لَهَا يُعْتَبَرُ رِضَاهَا وَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَنَّ الْعَزْلَ يُخِلُّ بِمَقْصُودِ الْوَلَدِ وَهُوَ حَقُّ الْمَوْلٰى فَيُعْتَبَرُ رِضَاهُ. وَبِهٰذَا فَارَقَ الْحُرَّةَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مسئلہ مذکورہ میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے مابین اختلاف کی وضاحت دلائل کے ساتھ کریں اور پوری عبارت حل کرتے ہوئے "وبھذا فارق الحرۃ" کی خاص طور سے وضاحت کریں (ج) عزل کی کتنی قسمیں ہیں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ کس قسم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے اور کس قسم اتفاق ہے؟۔

جواب

ترجمہ: اور جب کسی باندی کے ساتھ نکاح کیا تو عزل کرنے کی اجازت مولیٰ کے اختیار میں ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ سے روایت ہے کہ (عزل کی) اجازت اسی باندی کے اختیار میں ہے؛ اس لیے کہ وطی باندی کا حق ہے، حتی کہ اس باندی کے لیے مطالبہ کی ولایت ثابت ہے، اور عزل میں اسی (باندی) کے حق

Website:MadarseWale.blogspot.com

میں کمی کرنا ہوگا، پس (منکوحہ) باندی کی رضامندی شرط ہے جیسے آزاد (منکوحہ) میں برخلاف مملوکہ باندی کے؛ کیوں کہ اس کے لیے مطالبہ کا حق ہی نہیں ہے، لہٰذا اس کی رضامندی کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا، ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ عزل کرنا بچہ کے مقصود میں مخل ہے اور وہ مولیٰ کا حق ہے، لہٰذا مولیٰ کی رضامندی ہوگی اور اسی (دلیل) سے (منکوحہ باندی کا) منکوحہ حرہ سے فرق ہوگیا۔

(ب) مسئلہ مذکورہ میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے مابین...:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی باندی کا مالک ہے اور اس مالک نے اپنی اس باندی کا نکاح کسی شخص سے کردیا، تو کیا اس منکوحہ باندی کے شوہر کے لیے عزل کرنے کی اجازت مولیٰ سے لینی پڑے گی یا منکوحہ باندی سے اجازت لینی پڑیگی؟ پہلے عزل کی تعریف سمجھ لیجیے۔ عزل کہتے ہیں کہ آدمی جب اپنی بیوی یا باندی سے جماع کرے تو جماع کرتے رو قت جب انزال کا وقت آئے تو انزال باہر کرے؛ تاکہ حمل قرار نہ پائے، یہ عزل کی تعریف ہوئی، تو بہر صورت مسئلہ مذکورہ میں اجازت لینے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ اور امام صاحبؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عزل کی اجازت کا اختیار مولیٰ کو ہے یعنی اگر شوہر اپنی منکوحہ باندی سے عزل کرنا چاہے تو اس کو پہلے باندی کے مولیٰ سے اجازت لینی پڑے گی۔ اور صاحبینؒ سے مروی ہے کہ عزل کی اجازت کا اختیار باندی کو ہے یعنی شوہر اپنی منکوحہ باندی سے اجازت لے کر عزل کرے گا
Website:MadarseWale.blogspot.com
نہ کہ اس کے مولیٰ سے۔
Website:NewMadarsa.blogspot.com

امام صاحبؒ کی دلیل قیاس ہے: یعنی انہوں نے منکوحہ باندی کو منکوحہ حرۃ پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح منکوحہ حرہ سے عزل کرنے کی صورت میں اجازت اسی سے لی جاتی ہے ایسے ہی یہاں بھی منکوحہ باندی سے اجازت لی جائے گی، پس صاحبینؒ کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ وطی یہ منکوحہ باندی کا حق ہے اور منکوحہ باندی کو وطی کے مطالبہ کی ولایت حاصل ہے۔ یعنی

Website:MadarseWale.blogspot.com

منکوحہ باندی کو اپنے شوہر سے وطی کے مطالبہ کا اختیار ہے تو پھر اس کی اجازت کے بغیر عزل کیسے جائز ہوگا۔ عزل کرنے میں منکوحہ باندی کی رضا مندی لازم ہوگی بغیر اس کی اجازت کے عزل نہیں کرسکتا ہے جیسا کہ آزاد عورت کے اندر کہ اس کی رضا مندی بالاتفاق لازم ہے؛ کیوں کہ آزاد عورت کو بھی شوہر سے وطی کے مطالبہ کی ولایت حاصل ہے۔

ہاں اگر کسی کی مملوکہ باندی ہے تو اس کے مولیٰ کے لیے عزل کی اجازت ہے اور مولیٰ کے لیے عزل کرنے کے لیے کسی کی اجازت درکار نہیں ہے مملوکہ باندی راضی ہو یا راضی نہ ہو۔ یہ مسئلہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے اتفاق کے ساتھ ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ مملوکہ باندی کو وطی کے مطالبہ کا اختیار نہیں ہے، لہٰذا اس کی رضا مندی بھی معتبر نہیں ہوگی۔

ظاہر الروایۃ کی دلیل: اس مسئلے میں کہ منکوحہ باندی سے عزل کرنے کے لیے مولیٰ کی اجازت ضروری ہے یہ ہے کہ عزل کرنا بچہ کے مقصود میں مخل ہے اور چوں کہ بچہ مولیٰ کا حق ہے، لہٰذا مولیٰ ہی کی رضا مندی کا اعتبار کیا جائے گا اور باندی کی رضا مندی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

و بھذا فارق الحرۃ کی وضاحت: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو ابھی ظاہر الروایۃ کی دلیل پیش کی گئی اور وہ دلیل یہ ہے کہ عزل مقصودِ ولد میں مخل ہے اور ولد یعنی بچہ مولیٰ کا حق ہے، لہٰذا مولیٰ ہی کی رضا مندی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس دلیل کی وجہ سے منکوحہ باندی اور آزاد منکوحہ میں فرق ہو گیا کہ منکوحہ باندی میں بچہ مولیٰ کا حق ہے۔ اور آزاد منکوحہ میں بچہ مولیٰ وغیرہ کا حق نہیں ہے، پس جب دونوں فرق موجود ہے تو ایک کو دوسرے پر قیاس بھی نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ صاحبینؒ نے منکوحہ باندی کو منکوحہ حرہ پر قیاس کیا ہے۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۲۲۱)

(ج) عزل کی کتنی قسمیں ہیں؟ نیز...:

Website:MadarseWale.blogspot.com

عزل کی تین قسمیں ہیں: دو صورتوں میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اتفاق ہے اور ایک صورت میں دونوں حضرات کے درمیان میں اختلاف ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ آقا اپنی مملوکہ باندی سے کرے اس میں عزل کرنے کے لیے کسی کی اجازت درکار نہیں ہے اس میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اتفاق ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اپنی آزاد عورت سے عزل کرے اس میں عزل کی اجازت کا اختیار عورت ہی کو ہوگا اس میں بھی امام صاحبؒ اور صاحبینؒ متفق ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عزل منکوحہ باندی سے کرے اس صورت میں اختلاف ہے جیسا کہ عبارت کے اندر گزر چکا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک عزل کی اجازت کا اختیار مولیٰ کو ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک عزل کی اجازت کا اختیار منکوحہ باندی کو ہوگا۔

محل امتحان نمبر۲۲، ہدایہ ثانی ر ۳۴۷

(الف) عبارت بااعراب: وَلَوْ سُبِیَ أحَدُ الزَّوْجَیْنِ وَقَعَتِ الْبَیْنُوْنَةُ بَیْنَهُمَا بِغَیْرِ طَلَاقٍ وَإِن سُبِیَا مَعًا لَمْ یَقَعِ الْبَیْنُونَةُ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ وَقَعَتْ فَالْحَاصِلُ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ التَّبَایُنُ دُوْنَ السَّبْیِ عِنْدَنَا وَهُوَ یَقُوْلُ بِعَکْسِهٖ لَهُ أَنَّ التَّبَایُنَ اَثَرُهٗ فِیْ اِنْقِطَاعِ الْوِلَایَةِ وَذٰلِکَ لَا یُؤثِّرُ فِی الْفُرْقَةِ کَالْحَرْبِیِّ الْمُسْتَامِنِ أَمَّا السَّبْیُ فَیَقْتَضِی الصَّفَا لِلسَّابِیْ وَلَا یَتَحَقَّقُ إِلَّا بِانْقِطَاعِ النِّکَاحِ وَلَنَا أَنَّ مَعَ التَّبَایُنِ حَقِیْقَةً وَحُکْمًا لَا یَنْتَظِمُ الْمَصَالِحَ فَشَابَهُ الْمَحْرَمِیَّةَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) تباین کا مضاف الیہ اور صفاء کے معنیٰ لکھ کر مسئلہ مذکورہ کی وضاحت کریں پھر ائمہ کا اختلاف لکھ کر ہر فریق کے دلائل تحریر کریں اور امام شافعیؒ کا جواب بھی قلمبند کریں۔

جواب

Website:MadarseWale.blogspot.com

ترجمہ: اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک گرفتار کرلیا گیا تو ان دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے بینونت واقع ہو جائے گی اور اگر دونوں ساتھ ساتھ گرفتار کر لیے گئے تو بینونت واقع نہیں ہوگا۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ (دونوں میں) بینونت واقع ہو جائے گی، پس حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک (بینونت کا) سبب تباین ہے نہ کہ گرفتاری، اور امام شافعؒ اس کے برعکس فرماتے ہیں، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تباین ایسی چیز ہے کہ اس کا اثر ولایت کے منقطع ہونے میں ہے، اور یہ (انقطاع ولایت) فرقت میں مؤثر نہیں ہے جیسا کہ حربی امان لے کر (دارالاسلام میں داخل ہونے والا ہے) اور بہر حال گرفتاری تو وہ تقاضا کرتا ہے کہ گرفتار کرنے والے کے لیے خالص ہو جائے اور یہ متحقق نہیں ہوگا؛ مگر انقطاعِ نکاح ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تباین کے ساتھ حقیقتاً اور حکماً مصالح حاصل نہیں ہو سکتے، پس محرمیت کے مشابہ ہو گیا۔

(ب) تباین کا مضاف الیہ اور صفاء کے معنیٰ، نیز مسئلہ مذکورہ کی وضاحت:

تباین کی مضاف الیہ دارین ہے اور صفاء کا معنیٰ خلوص یعنی خالص ہونا ہے۔

عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں توضیح سے پہلے یہ اصول ذہن نشین کرلیں کہ ہمارے نزدیک تباین دار فرقت کا سبب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرقت کا سبب قید ہونا ہے۔

اب مسئلہ سنئے کہ کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مجاہدین کے ہاتھوں قید ہو گیا اور دارالاسلام میں قید ہو کر آ گیا تو احناف کے نزدیک فرقت واقع ہو جائے گی بغیر طلاق کے؛ اس لیے کہ تباین دار پایا گیا اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی دونوں میں جدائی ہو جائے گی؛ کیوں کہ قید ہونا پایا گیا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اور اگر دونوں ایک ساتھ قید کر لیے گئے خواہ دونوں کو ایک ہی مجاہد نے قید کیا ہو یا الگ الگ قید کیا ہو۔ (عین الهدایہ: ص/۱۱۵) احناف کے نزدیک دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع نہ ہوگی؛ کیوں کہ تباین دارین نہیں پایا گیا اور امام شافعیؒ کے نزدیک جدائی ہو جائے گی؛

Website:MadarseWale.blogspot.com

کیوں کہ سبی یعنی قید ہونا پایا گیا جو کہ ان کے نزدیک بینونت کا سبب ہے۔

دلیل: اب اس بات کی کہ احناف نے تباین دار کو بینونت کی علت کیوں قرار دیا اور امام شافعیؒ نے قید ہونے کو؟

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ تباین تو بینونت کی علت ہو نہیں سکتی؛ کیوں کہ بینونت کا زیادہ سے زیادہ اثر ولایت کے ختم ہو جانے میں ہے اور انقطاع ولایت فرقت میں مؤثر نہیں ہوتا جیسے کہ حربی مستامن اسی طرح مسلم مستامن کہ ولایت تو ختم ہو جاتی ہے تباین دار کی وجہ سے؛ لیکن ان بیویوں کے درمیان بینونت نہیں ہوتی، پس حاصل یہ نکلا کہ تباین تو بینونت کی علت نہیں ہے؛ البتہ "قید ہونا" یہ تقاضا کرتا ہے کہ قیدی، قید کرنے والے کی ملکیت میں خالص ہو جائے اور خلوص بغیر نکاح کے ختم کیے ہوئے متحقق ہو نہیں سکتا؛ چناں چہ اسی لیے کہ (قید ہونا خالص ہونے کا تقاضا کرتا ہے کافر قیدی کے ذمہ سے قرضہ ساقط ہو جاتا ہے)، لہٰذا نکاح بھی ختم ہو جائے گا؛ تا کہ مسبی قید کرنے والے کے لیے خالص ہو جائے تو بینونت کا سبب قید ہونا بنا، لہٰذا قید ہونے سے بینونت ہوگی نہ کہ تباین دار سے۔

احناف کی دلیل: یہ ہے کہ حقیقتاً یا حکماً تباین دار کے ہوتے ہوئے مصالح نکاح قائم نہیں رہ سکتے؛ کیوں کہ تباین دار حقیقتاً اور حکماً بقاء نکاح کے منافی ہے اور جو چیز مصالح نکاح کے بقاء کے منافی ہو وہ نکاح کو ختم کر دیتی ہے۔ جیسے ایسی عورت سے نکاح کو کرنا جو دائمی طور پر حرام ہو مصالح نکاح کو باقی نہیں رکھتا اسی طرح تباین بھی مصالح نکاح کو باقی نہیں رکھتا، لہٰذا نکاح کو تباین دارین ختم کر دے گا۔

تباین حقیقی: سے مراد یہ ہے کہ شخصیت اور ذات کے اعتبار سے جدا جدا دار میں ہوں۔ اور حکمی سے مراد یہ ہے کہ وہ جس دار میں داخل ہوا ہے اس میں وہ ٹھہرنے اور رہائش کی نیت سے داخل ہوا ہے واپسی کا ارادہ نہ ہو۔ (فتح القدیر: ج۳، ص۲۰۲)

امام شافعیؒ کا جواب: یہ ہے کہ "سبی" ملک رقبہ کو واجب کرتا ہے اور ملک رقبہ ابتداء نکاح کے منافع نہیں ہے اسی لیے اگر کسی نے اپنی باندی کا نکاح کرا دیا تو درست ہے، پس

Website:MadarseWale.blogspot.com

بقاءً بھی منافیِ نکاح نہ ہوگا۔ (فتح القدیر حاشیہ:ص۴۰۲) رہا امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ ''سبی'' خلوص ملک کا تقاضا کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''سبی'' اپنے محل میں خلوص کا تقاضا کرتا ہے اور وہ مال ہے، پس گرفتار شدہ کی ذات اس کا خالص مملوک مال ہے اگر چہ اس کی فرج کسی کا نکاح میں ہو جیسے اپنی باندی بیاہ دی ہو۔

محل امتحان نمبر ۲۳، ہدایہ ثانی ۳۴۸/

(الف) عبارت با اعراب: وَإِذَا ارْتَدَّا مَعًا ثُمَّ أَسْلَمَا مَعًا فَهُمَا نِكَاحِهِمَا إِسْتِحْسَانًا، وَقَالَ زُفَرُ: يَبْطُلُ لِأَنَّ رِدَّةَ أَحَدِهِمَا مُنَافِيَةٌ، وَفِيْ رِدَّتِهِمَا أَحَدِهِمَا، وَلَنَا مَارُوِيَ أَنَّ بَنِي حَنِيفَةَ ارْتَدُّوا ثُمَّ أَسْلَمُوا، وَلَمْ يَأْمُرْهُمُ الصَّحَابَةُ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ بِتَجْدِيدِ الْأَنْكِحَةِ، وَالْإِرْتِدَادُ مِنْهُمْ وَاقِعٌ مَعًا لِجَهَالَةِ التَّارِيْخِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھیں (ج) بنوحنیفہ کون ہیں اور ان کا کیا واقعہ ہوا؟۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور اگر دونوں مرتد ہوئے ایک ساتھ پھر اسلام لائے ایک ساتھ تو دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے۔ استحساناً اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ نکاح باطل ہو جائے گا؛ اس لیے کہ ان دونوں میں سے ایک کی ردت (نکاح کے) منافی ہے اور ان دونوں کے مرتد ہوتے میں ان میں سے ایک کی ردت ہے، اور ہماری دلیل وہ ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ بنوحنیفہ مرتد ہو گئے پھر اسلام لے آئے اور صحابہ کرامؓ نے ان کو تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا اور ان کے ارتداد کو ایک ساتھ پر ہی محمول کریں گے تاریخ کے مجہول ہونے کی وجہ سے۔

(ب) مطلب:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک ساتھ مرتد ہوئے (نعوذ باللہ) پھر

Website:MadarseWale.blogspot.com

ایک ساتھ دوبارہ اسلام لے آئے تو ہمارے نزدیک دونوں کا سابق نکاح باقی رہے گا؛ لیکن زفرؒ قیاس کرتے ہیں ''ردۃ'' نکاح کے منافی ہے؛ اسی لیے جب دونوں میں سے ایک مرتد ہوجائے تو نکاح ختم ہوجاتا ہے، لہٰذا جب دونوں مرتد ہوجائیں تو بھی نکاح ختم ہوجائے گا؛ کیوں کہ دو میں ایک داخل ہے تو جب ایک کی ردت سے نکاح ختم ہوجاتا ہے تو دونوں کی ردۃ سے بدرجۂ اولیٰ ختم ہوجائے گا۔

دلیلِ احناف: یہ ہے کہ قیاس وہی ہے جو امام زفرؒ نے بیان کیا؛ لیکن قیاس کے خلاف اجماع ہے کہ بنوحنیفہ سب کے سب ایک ساتھ مرتد ہوئے اور پھر ایک ساتھ اسلام لے آئے تو صحابۂ کرام نے تمام کو ان کے نکاح سابق پر برقرار رکھا تو یہ قیاس کے خلاف اجماع ہوگیا اور اجماع کے ہوتے ہوئے قیاس کو ترک کردیا جائے گا۔

ولارتداد منهم: یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ سب ایک ساتھ نہ تو مرتد ہوئے ہوں اور نہ ایک ساتھ اسلام لائے ہوں؛ بلکہ تقدم وتأخر ہوگیا ہو۔

جواب: چوں کہ تاریخ میں ان تقدم وتأخر مذکور نہیں ہے، لہٰذا ان کے ارتداد کو ایک ساتھ ہی پر محمول کریں گے اب اگر تقدم وتأخر کریں تو ترجیح بلا دلیل لازم آئے گی؛ کیوں کہ تاریخ کے صفحات اس سے خالی ہیں کہ کون پہلے مرتد ہوا اور کون بعد میں۔

(ج) بنوحنیفہ کون ہیں اور ان کا کیا واقعہ ہوا؟

بنوحنیفہ مسیلمہ کذاب کی قوم تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زکوٰۃ سے انکار کردیا اور سب مرتد ہوگئے؛ چناں چہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی طرف ایک لشکر بھیجا؛ چناں چہ وہ دوبارہ پھر اسلام لے آئے۔ (عین الهدایہ: ج ۲، ص ۱۱۹)

محل امتحان نمبر ۲۴، ہدایہ ثانی ۳۵۰/

(الف) عبارت بااعراب: ثُمَّ مُدَّةُ الرَّضَاعِ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَا سَنَتَانِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ! وَقَالَ زُفَرُ: ثَلَاثَةُ أَحْوَالٍ لِأَنَّ الْحَوْلَ

Website:MadarseWale.blogspot.com

حَسَنٌ لِلتَّحَوُّلِ مِنْ حَالٍ إِلٰى حَالٍ وَلَابُدَّ مِنَ الزِّيَادَةِ عَلَى الْحَوْلَيْنِ لِمَا نُبَيِّنُ فَيُقَدَّرُ بِهٖ، وَلَهُمَا قَوْلُهُ تَعَالٰى "وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا".

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مدتِ رضاعت کے سلسلے میں فقہائے احناف کے اقوال مدلل لکھیں اور درج ذیل عبارت کا مطلب تحریر کریں "فَإِنَّ غِذَاءَ الْجَنِينِ يُغَايِرُ غِذَاءَ الرَّضِيعِ كَمَا يُغَايِرُ غِذَاءَ الْفَطِيمِ".

جواب

ترجمہ: مدت رضاعت تیس مہینہ ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ نے فرمایا دو سال، اور یہی امام شافعیؒ کا قول اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ تین سال؛ اس لیے کہ مدتِ سال ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدل جانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور دو سال پر زیادتی ضروری ہے اس وجہ سے جو ہم بیان کریں گے، لہٰذا زیادتی کا اندازہ لگایا جائے گا۔ ایک سال کے ذریعہ اور صاحبینؒ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وحملہ" بچہ کا حمل اور اس کا جدا ہونا دو برس چھ ماہ ہے۔

(ب) مدتِ رضاعت کے سلسلے میں فقہائے احناف کے اقوال:...

صاحبینؒ کے نزدیک مدتِ رضاعت دو سال ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک تین سال ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ڈھائی سال ہے؛ البتہ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

صاحبینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ...... الخ﴾ میں حمل اور رضاعت دونوں کی مدت دو برس اور چھ مہینہ مقرر فرمائی ہے اور حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینہ ہے باقی رہے دو برس تو وہ مدت رضاعت ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی "لا رضاع بعد الحولین"۔ اور یہ آیت بھی محل استدلال ہے ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ...... الخ﴾۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

امام زفرؒ کی دلیل: یہ ہے کہ دو سال کے بعد بچہ کو ایک غذا سے دوسرے غذا کی جانب منتقل کرنا ضروری ہے؛ تا کہ دودھ سے انبات منقطع ہو جائے اور انتقال کے لیے کچھ وقت درکار ہوگا؛ کیوں کہ فوراً ایک غذا سے دوسرے غذا کی طرف بالکلیہ منتقل کر دینے میں بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور وہ وقت ایک سال ہے؛ کیوں کہ اس میں تمام موسم آ گئے ہیں تو اس اعتبار سے تین سال مدتِ رضاعت ہوگی۔

امام صاحبؒ کی دلیل: وہی آیت ہے جس سے صاحبینؒ نے استدلال کیا ہے یعنی ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ...... الخ﴾ اور طریقۂ استدلال اس طرح ہے کہ اللہ نے دو چیزوں یعنی حمل اور فصال کے لیے ایک مدت بیان فرمائی ہے اور جب کہیں دو شئی کے لیے ایک ہی مدت بیان کی جائے تو دونوں کے لیے الگ الگ مستقل مدت شمار ہوتی ہے دونوں میں تقسیم نہیں ہوتی۔ جیسے کہ خالد کا ایک ہزار روپئے اور پانچ کلو گیہوں زید کے ذمہ قرضہ ہیں اور خالد نے زید سے کہا کہ میں تمہیں دونوں قرضوں کے سلسلے میں دو سال کی مہلت دیتا ہوں تو دونوں کے لیے الگ الگ دو سال مدت مہلت ہوگی اسی طرح یہاں بھی حمل اور فصال ہر ایک کے لیے دو برس اور چھ مہینہ مدت ہوگی؛ لیکن حمل کے سلسلے میں ایک حدیث آ گئی جس نے مدتِ حمل کو متعین کر دیا اور وہ حدیث عائشہ ہے فرمایا ''الولد لا يبقى في بطن امه اكثر من سنتين ولو بفلكة معزل'' یعنی بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زائد نہیں رہتا۔ تو حمل کی مدت کم ہوگئی؛ لیکن فصال کے سلسلے میں کوئی منقِّص نہیں پایا گیا، لہٰذا وہ اپنے حال پر باقی رہے گا اور وہ ڈھائی سال ہے۔

دلیلِ عقلی: وہی ہے جو امام زفرؒ کی ہے کہ دو سال کے بعد ایک غذا سے دوسرے غذا کی طرف انتقال کے لیے کچھ مدت درکار ہوگی اور اس مدت کی تعین چھ مہینہ سے کیا ہے۔

فَإِنَّ غِذَاءَ الْجَنِيْنِ يُغَايِرُ غِذَاءَ الرَّضِيْعِ الخ کا مطلب:

یہ عبارت کی عقلی دلیل میں چھ مہینہ کے متعین کرنے کی دلیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابھی بیان ہوا کہ ایک غذا سے دوسری غذا کی طرف انتقال کے لیے کچھ مدت چاہیئے

Website:MadarseWale.blogspot.com

اورامام صاحبؒ نے اس مدت کی تعین چھ مہینہ سے کی ہے؛ کیوں کہ چھ مہینہ میں غذا بدل جاتی ہے مثلاً ایک بچہ مہینہ میں پیدا ہو گیا تو جب تک ماں کے پیٹ میں تھا تو اس کی غذا وہی تھی جو ماں کی غذا تھی؛ لیکن جب چھ مہینہ میں پیدا ہو گیا تو اس کی غذا خالص دودھ ہو گئی تو معلوم ہوا کہ چھ مہینہ میں غذا بدل جاتی ہے، لہٰذا چھ مہینہ کا اور اضافہ کر دیا جائے گا۔
حاصل یہ نکلا کہ وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہے اس کی غذا دودھ پینے والے بچہ کی غذا سے مختلف ہے جس طرح دودھ پینے والے بچہ کی غذا چھوڑنے والے بچہ سے مختلف ہے اور چھ مہینہ میں ایک غذا سے دوسری غذا کی طرف انتقال ہو گیا تو اسی مدت کا اعتبار کر لیا گیا۔

محل امتحان نمبر ۲۵، ہدایہ ثانی /۳۵۱

(الف) عبارت بااعراب: وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ لِلْحَدِيْثِ الَّذِيْ رَوَيْنَا إِلَّا أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعِ فَإِنَّهُ يَجُوْزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوْزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ النَّسَبِ لِأَنَّهَا تَكُوْنُ أُمَّهُ أَوْ مَوْطُوْءَةَ أَبِيْهِ بِخِلَافِ الرَّضَاعِ وَيَجُوْزُ تَزَوُّجُ أُخْتِ إِبْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ وَلَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ لِأَنَّهُ لَمَّا وَطِئَ أُمَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ وَلَمْ يُوْجَدْ هٰذَا الْمَعْنٰى فِي الرَّضَاعِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کا مطلب لکھیں، نیز "إلا ام اختہ من الرضاع" اور اس کے بعد کے تمام مسائل کو الگ الگ مثال کے ذریعہ واضح کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور رضاعت سے وہ (تمام رشتے) حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی؛ مگر اس کی رضاعی بہن کی ماں؛ کیوں کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، اور اپنی نسبی بہن کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ اس کی ماں ہوگی یا اس کے باپ کی موطوءہ (ہوگی)

Website:MadarseWale.blogspot.com

برخلاف رضاعت کے؛ کیوں کہ جب اس کی ماں سے وطی کی تو (ماں) اس پر حرام ہوگئی اور یہ معنی رضاعت میں موجود نہیں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) عبارت کا مطلب:...

اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ تمام رشتے جو نسب سے حرام ہوجاتے ہیں وہ سب رضاعت سے بھی حرام ہوجائیں گے اور مستدل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے "یحرم من الرضاع مایحرم من النسب" کہ رضاعت سے تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوجاتے ہیں؛ البتہ بعض رشتے ایسے ہیں جو نسب سے تو حرام ہوتے ہیں؛ لیکن رضاعت سے حرام نہیں ہوتے۔ مثلاً اپنی نسبی بہن کی ماں سے نکاح درست نہیں ہے؛ کیوں کہ نسب کے اعتبار سے ماں ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ خود اس کی بھی ماں ہوگی یا اس کے باپ کی موطوء ہوگی اور دونوں سے نکاح درست نہیں ہے، أما الاول فلقوله تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ وَاَمَّا الثَّانِي فِلقَوْلِهٖ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآءُكُمْ﴾ (البتہ) اپنی نسبی بہن کی رضاعی ماں، (۲) اپنی رضاعی بہن کی نسبی ماں، (۳) اپنی رضاعی بہن کی رضاعی ماں، ان تینوں سے نکاح درست ہے؛ کیوں کہ حرمت والی کوئی شئی ان میں نہیں پائی جاتی اب ان تینوں کو مثال سے سمجھئے (اول) سلمان کی نسبی بہن رقیہ ہے، رقیہ کی رضاعی ماں خالدہ ہے، تو سلمان کا خالدہ سے نکاح درست ہے، (دوم) محفوظ اور راشدہ رضاعی بھائی بہن ہیں اور حمیدہ، راشدہ کی نسبی ماں ہے تو محفوظ کے لیے راشدہ سے نکاح کرنا درست ہے (سوم) سلمان اور خولہ جو کہ دونوں اجنبی ہیں دونوں نے حمیدہ کا دودھ پیا تو دونوں رضاعی بھائی بہن ہوگئے اور خولہ کی ایک رضاعی ماں فاطمہ پہلے سے ہے تو سلمان کے لیے فاطمہ سے نکاح درست ہے۔

یجوز تزوج اخت: یہ بھی استثناء میں داخل ہے یعنی یہ رشتۂ رضاعت نکاح سے مانع نہیں ہے؛ لیکن یہی صورت اگر نسبت کے اعتبار سے تو نکاح کرنا حرام ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اپنے لڑکے کی بہن سے نکاح درست نہیں ہے نسبت کے اعتبار سے؛ کیوں کہ اس کے

Website:MadarseWale.blogspot.com

لڑکے کی بہن ہونے کی دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ خود اس کی بھی لڑکی ہوگی، یا اس کی بیوی کی لڑکی ہوگی جو دوسرے شوہر سے ہوگی اور یہ دونوں حرام ہیں اما الاول: فلقوله تعالىٰ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَ بَنَاتُكُمْ﴾ أما الثاني: تو اس کے لیے وہ اس کی ربیبہ ہے اور جب اس کی ماں سے اس نے دخول کرلیا تو ربیبہ حرام ہے لقولہ تعالیٰ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ...... وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ اس کو اب مثال سے سمجھئے کہ حامد کا ایک لڑکا ہے زید، اور اس کی بہن فاطمہ ہے۔ اب اگر فاطمہ حامد ہی کے نطفہ سے ہے تو بھی حرام اور اگر حامد نے اس کی ماں ساجدہ سے وطی کرلی تو ربیبہ حرام ہوگئی؛ لیکن یہ رشتہ رضاعت سے حرام نہیں ہیں۔

اس میں بھی تین صورتیں ہیں:

(۱) خالد کے نسبی لڑکے کی رضاعی بہن، مثلاً زید خالد کا نسبی لڑکا ہے اور اس نے رشیدہ کے ساتھ خالدہ کا دودھ پیا تو رشیدہ زید کی رضاعی بہن ہوئی تو اس سے خالد کا نکاح درست ہے۔

(۲) خالد کے رضاعی لڑکے کی نسبی بہن مثلاً سلمان نے خالد کی بیوی کا دودھ پیا اور سلمان کی ایک نسبی بہن صفوانہ ہے تو خالد کا نکاح اپنے رضاعی لڑکے سلمان کی نسبی بہن صفوانہ سے درست ہے؛ کیوں کہ وہ حلال ہے۔

(۳) خالد کے رضاعی لڑکے کی رضاعی بہن، مثلاً زید نے خالد کی بیوی کا دودھ پیا تو وہ خالد کا رضاعی لڑکا ہوگیا اور زید نے خالدہ کی بیوی کا دودھ پی چکا ہے تو حمیدہ خالد کے رضاعی لڑکے زید کی رضاعی بہن ہوئی، لہٰذا اس سے خالد کا نکاح درست ہے؛ کیوں کہ تینوں صورتوں میں کوئی وجہ نہیں پائی جاتی ہے۔

محل امتحان نمبر ۲۶، ہدایہ ثانی /۳۵۱

(الف) عبارت با اعراب: لَبَنُ الْفَحْلِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ وَهُوَ أَنْ تُرْضِعَ الْمَرْأَةُ صَبِيَّةً فَتَحْرُمُ هٰذِهِ الصَّبِيَّةُ عَلٰى زَوْجِهَا وَعَلٰى اٰبَائِهٖ وَأَبْنَائِهٖ وَيَصِيْرُ

Website:MadarseWale.blogspot.com

اَلزَّوْجُ الَّذِیْ لَهَا مِنْهُ اللَّبَنُ اَبًا لِلْمُرْضَعَةِ وَفِیْ اَحَدِ قَوْلَیِ الشَّافِعِیِّؒ لَبَنُ الْفَحْلِ لَا یُحَرِّمُ لِاَنَّ الْحُرْمَةَ لِشُبْهَةِ الْبَعْضِیَّةِ وَاللَّبَنُ بَعْضُهَا لَا بَعْضُهٗ وَلَنَا مَا رَوَیْنَا وَالْحُرْمَةُ بِالنَّسَبِ مِنَ الْجَانِبَیْنِ فَكَذَا بِالرَّضَاعِ وَلِاَنَّهٗ سَبَبٌ لِنُزُوْلِ اللَّبَنِ مِنْهَا فَیُضَافُ اِلَیْهِ فِیْ مَوْضِعِ الْحُرْمَةِ اِحْتِیَاطًا۔

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) صورت مسئلہ اور اختلاف ائمہ لکھ کر ہر فریق کے دلائل کو واضح کریں (ج) فیضاف اور الیہ کی ضمیر کا مرجع لکھیں۔

جواب

ترجمہ: مرد کے دودھ سے حرمت متعلق ہوگی اور وہ یہ ہے کہ عورت کسی بچی کو دودھ پلائے تو یہ بچی حرام ہو جائے گی اس کے شوہر اور شوہر کے آباء وابناء پر، اور وہ شوہر جس سے عورت کو دودھ اترا ہے وہ مرضعہ کا باپ ہو جائے گا اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک ہے کہ مرد کا دودھ مُحَرِّم نہیں ہے؛ اس لیے کہ حرمت جزئیت کے شبہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے نہ کہ شوہر کا جزء، اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی ہے اور حرمت، نسب کی وجہ سے دونوں جانب سے ہوتی ہے تو اسی طرح رضاعت سے، اور اس لیے کہ مرد مرضعہ (بکسر الضاد دودھ پلانے والی) سے دودھ اترنے کا سبب ہے، لہٰذا دودھ کو شوہر کی جانب منسوب کیا جائے گا حرمت کے مقام میں احتیاطًا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) صورتِ مسئلہ اور اختلافِ ائمہ، نیز ہر فریق کے دلائل کی وضاحت:

اولاً یہ واضح رہے کہ مذکورہ مسئلہ میں لبن الفحل سے مرد کا دودھ مراد نہیں ہے جو مرد کے چھاتی سے اترا ہو؛ کیوں کہ اگر ایسا دودھ جو خود اس کے چھاتی سے اترا اور اس نے کسی بچی کو پلا دیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی بالا جماع۔ (حاشیہ ہدایہ) اور اس لیے بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی؛ کیوں کہ مرد کی چھاتی کا دودھ نہیں ہے؛ بلکہ رطوبت ہے جس نے دودھ

Website:MadarseWale.blogspot.com

کی مشابہت اختیار کررکھا ہے، جیسے مچھلی کا خون کہ وہ حقیقتاً خون نہیں ہے؛ بلکہ پانی ہے، لہٰذا رضاعت کے احکام کا تعلق مرد کی چھاتی سے اترنے والے دودھ سے نہ ہوگا۔

اب مسئلہ سمجھئے کہ وہ شوہر جس سے عورت کو دودھ اترا پھر اس عورت نے کسی بچی کو دودھ پلا دیا تو کیا رضاعت مرد سے ثابت ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک رضاعت اس سے بھی اور اور مرد کے اصول وفروع سے بھی ثابت ہوگی۔

اور امام شافعیؒ کا ایک قول ہے کہ مرد سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حرمت جزئیت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے، لہٰذا صرف عورت سے ہی حرمت متعلق ہوگی۔

احناف کی دلیل: وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ سب رضاعت سے بھی حرام ہوں گے "یحرم من الرضاع مایحرم من النسب" اور ایک دوسری حدیث ہے جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن افلح نامی ایک شخص آئے تو میں نے پسِ پردہ پوچھا وہ کس طرح؟ انہوں نے کہا کہ میرے بھائی ابی تعیس کی بیوی نے آپ کو دودھ پلایا ہے تو میں نے کہا کہ مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے نہ کہ مرد نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے تو میں نے پورا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا "لِيَلِجْ عَلَيْكِ أَفْلَحُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ مِنَ الرَّضَاعِ" یعنی اے عائشہ افلح آپ کے پاس آسکتے ہیں؛ کیوں کہ وہ آپ کے رضاعی چچا ہیں۔ یعنی بغیر پردہ کے آپ ان کے سامنے آسکتی ہیں، یعنی بغیر پردہ کے آپ ان کے سامنے آسکتی ہیں، تو جب وہ چچا ہوگئے تو ظاہر ہے کہ مُرضعہ کا شوہر ضرور باپ ہوگا اور اس سے حرمت متعلق ہوگی۔ (فتح القدیر: ج ۳/ص ۴۳۱)

دلیلِ عقلی: یہ ہے کہ عورت کو دودھ چوں کہ شوہر ہی کی وجہ سے اترا ہے تو حرمت کے مقام میں احتیاطاً عورت کے دودھ کو مرد کی جانب بھی منسوب کردیا جائے گا اور اس سے بھی حرمت متعلق ہوگی اور اس کے اصول وفروع سب مُرضعہ پر حرام ہوں گے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) فیضاف اور إلیه کی ضمیر کا مرجع:

"یضاف" کی ضمیر کا مرجع "لبن" ہے اور "إلیه" کی ضمیر کا مرجع "فحل" ہے۔

محل امتحان نمبر ۲۷، ہدایہ ثانی ۳۵۱/۱

(الف) عبارت بااعراب: وَيَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الرَّجُلُ بِأُخْتِ أَخِيهِ مِنَ الرَّضَاعِ لِأَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِأُخْتِ أَخِيهِ مِنَ النَّسَبِ وَذٰلِكَ مِثْلُ الْأَخِ مِنَ الْأَبِ إِذَا كَانَتْ لَهُ أُخْتٌ مِنْ أُمِّهِ جَازَ لِأَخِيهِ مِنْ أَبِيهِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَتَزَوَّجُ الْمُرْضَعَةُ أَحَدًا مِنْ وُلْدِ الَّتِي أَرْضَعَتْ لِأَنَّهُ أَخُوهَا وَلَا وُلْدِ وَلَدِهَا لِأَنَّهُ وَلَدُ أَخِيهَا وَلَا يَتَزَوَّجُ الصَّبِيُّ الْمُرْضَعُ أُخْتَ زَوْجِ الْمُرْضِعَةِ لِأَنَّهَا عَمَّتُهُ مِنَ الرَّضَاعِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) تمام مسائل کی مدلل اور مثال کے ساتھ تشریح کریں۔

جواب

ترجمہ: اور جائز ہے کہ مرد اپنے رضاعی بھائی کی بہن کے ساتھ نکاح کرے؛ کیوں کہ اپنے نسبی بھائی کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، اور یہ مثلاً باپ شریک بھائی جب کہ اس کی ماں شریک بہن ہو تو اس کے باپ شریک بھائی کے لیے جائز ہے کہ اس سے نکاح کرے اور نہ نکاح کرے مرضعہ (جس کو دودھ پلایا گیا) اس عورت کے لڑکوں میں سے کسی سے جس نے (اس کو) دودھ پلایا ہے؛ کیوں کہ یہ (لڑکا) اس کا بھائی ہے اور نہ اس دودھ پلانے والی کے لڑکے کی اولاد سے؛ کیوں کہ یہ اس کا بھتیجا ہے۔ اور وہ بچہ جس کو دودھ پلایا گیا ہے دودھ پلانے والی کے شوہر کی بہن سے نکاح نہ کرے؛ کیوں کہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ب) تمام مسائل کی مدلل اور مثال کے ساتھ تشریح:

اس عبارت کے اندر تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آدمی اپنے رضاعی بھائی کی نسبی بہن سے نکاح کرسکتا ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ خالد نے ماجد کی ماں کا دودھ پیا تو ماجد خالد کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ حالانکہ یہ لڑکی ماجد کے رضاعی بھائی خالد کے نسبی بہن ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ نسبی بھائی کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ راشد کے دو بیٹے شاہد اور حامد ہیں اور دونوں کی ماں الگ الگ ہے۔ تو یہ دونوں علاتی یعنی باپ شریک بھائی ہوں گے۔ راشد نے اپنے بیٹے شاہد کی ماں کو طلاق دیدی، پھر اس مطلقہ عورت نے یعنی شاہد کی ماں نے اپنی عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرلیا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوگئی تو یہ لڑکی راشد کے بیٹے شاہد کی ماں شریک بہن بنے گی۔ اور راشد کے دوسرے بیٹے حامد جو کہ دوسری بیوی سے ہے اس کے حق میں یہ لڑکی اجنبیہ ہوگی، پس حامد شاہد کی ماں شریک بہن سے نکاح کرسکتا ہے؛ حالاں کہ یہ لڑکی اپنے شوہر جو کہ حامد ہے اس کے نسبی بھائی کی نسبی بہن ہے؛ لیکن چوں کہ یہ لڑکی حامد کے حق میں اجنبیہ ہے اس لیے اس سے نکاح درست ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے: کہ مرضعہ یعنی جس کو دودھ پلایا گیا وہ اپنی رضاعی ماں کی اولاد میں سے کسی سے نکاح نہ کرے اس کی صورت یہ ہوگی کہ فاطمہ نے خالدہ کا دودھ پیا اور خالدہ کے بیٹے زید، عمرو، بکر ہیں تو فاطمہ کے لیے زید، عمرو، بکر میں سے کسی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ زید، عمرو، بکر سب اس کے رضاعی بھائی ہیں۔ اور جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتے ہیں۔ اور نہ ہی فاطمہ، زید، عمرو، بکر وغیرہ کے لڑکے سے نکاح کرسکتی ہے؛ کیوں کہ فاطمہ اس صورت میں زید وغیرہ کے لڑکے کی رضاعی پھوپھی بنے گی اور یہ سب لڑکے فاطمہ کے رضاعی بھتیجے بنیں گے۔ اور رضاعی بھتیجے سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ: یہ ہے کہ صبی مرضع یعنی جس بچے کو دودھ پلایا گیا ہے اس کے لیے اپنی

Website:MadarseWale.blogspot.com

رضاعی ماں کے شوہر کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ زید نے راشدہ کا دودھ پیا اور راشدہ کے شوہر کی ایک بہن ہے جس کا نام خالدہ ہے تو زید کے لیے خالدہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خالدہ، زید کی رضاعی پھوپھی بنے گی اور رضاعی پھوپھی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے جس طرح نسبی پھوپھی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

محل امتحان نمبر ۲۸، ہدایہ ثانی ۳۵۲/

(الف) عبارت بااعراب: وَإِذَا حُلِبَ لَبَنُ الْمَرْأَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأُوجِرَ الصَّبِيُّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ هُوَ يَقُولُ الْأَصْلُ فِي ثُبُوتِ الْحُرْمَةِ إِنَّمَا هُوَ الْمَرْأَةُ ثُمَّ تَتَعَدّٰى إِلٰى غَيْرِهَا لِوَاسِطَتِهَا وَبِالْمَوْتِ لَمْ تَبْقَ مَحَلًّا لَهَا وَلِهٰذَا لَا يُوجِبُ وَطْيُهَا حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ وَلَنَا أَنَّ السَّبَبَ هُوَ شُبْهَةُ الْجُزْئِيَّةِ وَذٰلِكَ فِي اللَّبَنِ لِمَعْنَى الْإِنْشَاءِ وَالْإِنْبَاتِ وَهُوَ قَائِمٌ بِاللَّبَنِ وَهٰذِهِ الْحُرْمَةُ تَظْهَرُ فِي حَقِّ الْمَيْتَةِ دَفْنًا وَتَيْمِيمًا أَمَّا الْجُزْئِيَّةُ فِي الْوَطْيِ لِكَوْنِهِ مُلَاقِيًا لِمَحَلِّ الْحَرْثِ وَقَدْ زَالَ بِالْمَوْتِ فَافْتَرَقَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کا مطلب وضاحت کے ساتھ تحریر کریں (ج) أما الجزئية في الوطي الخ سے دیئے گئے جواب کو واضح کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور جب عورت کا دودھ نکالا گیا عورت کے مرنے کے بعد پھر بچے کے (منہ میں) ٹپکا دیا گیا تو اس سے حرمتِ (رضاعت) متعلق ہوگی برخلاف امام شافعیؒ کے، وہ فرماتے ہیں کہ ثبوت حرمت میں اصل عورت ہی ہے پھر یہ حرمت، عورت کے واسطے سے غیر کی طرف متعدی ہوتی ہے اور موت کی وجہ سے عورت حرمت کا محل نہ رہی، اور اسی لیے اس عورت سے وطی حرمتِ مصاہرت کو ثابت نہیں کرتی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ (حرمت کا) سبب جزئیت کا شبہ ہے اور یہ بات دودھ میں موجود ہے گوشت

Website:MadarseWale.blogspot.com

بڑھانے اور ہڈی اگانے کے معنی کے موجود ہونے کی وجہ سے اور یہ معنی دودھ سے قائم ہیں اور یہ حرمت اس مردہ عورت کے حق میں دفن کرنے اور یتیم کرانے کے اعتبار سے ظاہر ہوگی۔ رہا وطی میں جزء ہونا تو اس وجہ سے کہ وطی ایسے محل سے مل جاتی ہے جو کھیتی کا محل ہے اور وہ محل موت کی وجہ سے زائل ہوگیا، پس دونوں مسئلے جدا جدا ہو گئے۔

(ب) عبارت کا مطلب و وضاحت:

وإذا حلب: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے مرجانے کے بعد اس کے پستان سے دودھ نکال کر کسی دودھ پیتی بچی کے منہ میں ٹپکا دیا تو ہمارے نزدیک حرمت ثابت ہوجائے گی۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

هو يقول: امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرمت کا تعلق اصلاً عورت کے ساتھ ہوتا ہے پھر عورت کے واسطے سے دوسرے کی جانب یہ حرمت متعدی ہوتی ہے اور مذکورہ مسئلہ میں عورت چوں کہ مرچکی ہے؛ اس لیے وہ حرمت کی محل نہیں رہی؛ چناں چہ اسی وجہ سے کہ عورت مرنے کے بعد حرمت کا محل نہیں رہتی، اگر کسی نے مردہ عورت سے جماع کرلیا تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا اسی طرح یہاں بھی چوں کہ عورت کے مرنے کے بعد نکال کر پلایا گیا ہے، لہٰذا حرمت ثابت نہیں ہوگی؛ کیوں کہ محل حرمت ختم ہو چکا ہے۔

ولنا: احناف کی دلیل یہ ہے: حرمتِ رضاعت، جزئیت کے شبہ کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے، اور جزئیت کا شبہ دودھ میں ہے؛ کیوں کہ دودھ سے ہڈی اور گوشت میں نماء (بڑھوتری) ہوتی ہے، لہٰذا جب عورت کا دودھ بچی کو پلا دیا تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوجائے گی۔

وهذه الحرمة: اور اس حرمت کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب مثلاً ایک عورت مرگئی جس کے غسل و دفن کرنے کے لیے کوئی عورت و محرم نہیں ہے؛ البتہ ایک دودھ پیتی بچی اور اس کا شوہر ہے، پس اس مردہ عورت کا دودھ بچی کو پلا دیا گیا تو اس بچی کا شوہر اس مردہ عورت کا داماد بن گیا اور یہ عورت اس کی رضاعی خوش دامن بن گئی تو اب اس آدمی کے لیے درست ہے کہ وہ اس عورت کو تیمم ادا دے اور دفن کردے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ج) أما الجزئيّة في الوطي الخ سے دیئے گئے جواب کی وضاحت:

أما الجزئية: امام شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ عورت، مرجانے سے محل حرمت نہیں رہ جاتی اسی لیے حرمتِ مصاہرت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حرمتِ مصاہرت کا تعلق اگر چہ جزئیت ہی کی وجہ سے ہے؛ لیکن اس جزئیت کا تعلق محل حرمت سے ہے یعنی حرمتِ مصاہرت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب کہ وطی محل حرث میں ہو اور مذکورہ مسئلہ میں عورت کے مرجانے سے محل حرث زائل ہوگیا ہے، لہٰذا حرمت بھی ثابت نہیں ہوگی؛ کیوں کہ وطی محل حرث میں نہیں ہے۔ اور حرمتِ مصاہرت کا سبب محل حرث میں وطی کا ہونا ہے۔ برخلاف حرمتِ رضاعت کے، اس میں حرمت، انشاء و انبات کی وجہ سے ہے اور انشاء و انبات دودھ میں موجود ہے؛ کیوں کہ دودھ پینے سے گوشت اور ہڈی میں نماء ہوتا ہے، لہٰذا دونوں مسئلے الگ الگ ہیں۔

محل امتحان نمبر ۲۹، ہدایہ ثانی ۳۵۶/

(الف) عبارت با اعراب: وَطَلَاقُ الْحَامِلِ يَجُوزُ عَقِيبَ الْجِمَاعِ لِأَنَّهُ لَا يُؤَدِّي إِلَى اشْتِبَاهِ وَجْهِ الْعِدَّةِ وَزَمَانُ الْحَبَلِ زَمَانُ الرَّغْبَةِ فِي الْوَطْيِ لِكَوْنِهِ غَيْرَ مُعَلَّقٍ أَوْ فِيهَا لَمَكَانِ وَلَدِهِ مِنْهَا فَلَا يَقِلُّ الرَّغْبَةُ بِالْجِمَاعِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کو حل کرتے ہوئے مختصر مطلب لکھیں (ج) بتائیے کہ طلاق کیوں مشروع ہے؟ (د) غیر حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینا کیوں ممنوع ہے؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: جماع کرنے کے بعد حاملہ کو طلاق دینا جائز ہے؛ اس لیے کہ یہ جماع وجہ عدت کے مشتبہ ہونے تک نہیں پہونچاتا اور حمل کا زمانہ وطی میں رغبت کا زمانہ ہے وطی

Website:MadarseWale.blogspot.com

کے حمل نہ ٹھہرانے کی وجہ سے، یا عورت میں رغبت کا زمانہ ہے، عورت کا اس کے بچہ کا مکان ہونے کی وجہ سے؛ چناں چہ جماع سے رغبت کم نہیں ہوگی۔

(ب) عبارت کا حل مع مختصر مطلب:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ حاملہ سے وطی کر لینے کے بعد طلاق دینا درست ہے یعنی گناہ نہیں ہے اور طلاق دینے سے مانع دو چیزیں ہو سکتی تھیں۔ اول یہ کہ جماع کے بعد طلاق دینے میں عدت کا طریقہ مشتبہ ہو جائے گا کہ وہ عدت حیض سے گزارے گی، یا حمل ٹھہرانے کی وجہ سے وضع حمل کے ذریعہ؛ لیکن یہاں عدت میں اشتباہ نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ پہلے سے ہی حاملہ ہے، لہٰذا عدت وضع حمل متعین ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہو سکتی تھی کہ جماع سے رغبت کم ہو گئی ہے؛ چناں چہ اب طلاق دینے میں ہو سکتا ہے کہ طبیعت کا دخل ہو نہ کہ مصلحت کا، تو یہ مانع نہیں ہے؛ کیوں کہ جو وطی حمل ٹھہرانے والی نہ ہو اس میں رغبت رہتی ہے یا یہ کہ وہ عورت میں رغبت ہو؛ کیوں کہ وہ اس کے بچہ کو اپنے پیٹ میں پال رہی ہے اور اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور محبت میں اضافہ وطی کا تقاضا کرتی ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ جماع کی وجہ سے رغبت کم نہیں ہوئی اور عدت بھی مشتبہ نہیں ہے اور ایسی صورت میں طلاق دے رہا ہے تو ضرور کوئی مصلحت ہوگی، لہٰذا طلاق درست ہوگی یعنی گناہ نہ ہوگا۔ (حاشیہ ہدایہ ثانی)

(ج) بتائیے کہ طلاق کیوں مشروع ہے؟

کیوں کہ عدمِ مشروعیت کی دونوں وجہیں یعنی اشتباہ عدت، اور قلتِ رغبت دونوں مفقود ہیں، لہٰذا طلاق مشروع ہے یعنی گناہ نہیں ہے۔ باقی مزید تفصیل تشریح میں دیکھیں۔

(د) غیر حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینا کیوں ممنوع ہے؟

غیر حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینا دو وجہ سے ممنوع ہے:

Website:MadarseWale.blogspot.com

پہلی وجہ: یہ ہے کہ عدت مشتبہ ہو جائے گی؛ اس لیے کہ عدت حیض سے ہوگی یا وضع حمل سے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ جماع سے رغبت کم ہو جاتی ہے تو ہوسکتا ہے کہ قلتِ رغبت کی وجہ سے طلاق دی ہو نہ کہ مصلحت کی وجہ سے۔

محل امتحان نمبر ۳۰، ہدایہ ثانی ۳۵۸/

(الف) عبارت با اعراب: طَلَاقُ السَّكْرَانِ وَاقِعٌ وَاخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ وَالطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ لَا يَقَعُ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ صِحَّةَ الْقَصْدِ بِالْعَقْلِ وَهُوَ زَائِلُ الْعَقْلِ فَصَارَ كَزَوَالِهِ بِالْبَنْجِ وَالدَّوَاءِ وَلَنَا أَنَّهُ زَالَ بِسَبَبٍ هُوَ مَعْصِيَةٌ فَجُعِلَ بَاقِيًا حُكْمًا زَجْرًا لَهُ حَتّٰى لَوْ شَرِبَ فَصُدِّعَ وَزَالَ عَقْلُهُ بِالصُّدَاعِ نَقُوْلُ إِنَّهُ لَا يَقَعُ طَلَاقُهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) طلاق سکران کے سلسلے میں امام شافعیؒ کے قول اور ان کی دلیل کی وضاحت کریں اور احناف کے مسلک کو مدلل تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور نشہ میں مست شخص کی طلاق واقع ہے اور کرخی وطحاوی کا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ واقع نہ ہوگی اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے؛ اس لیے کہ ارادہ کا صحیح ہونا عقل کے ساتھ ہے اور وہ زائل العقل ہے تو ایسا ہو گیا جیسے اس کی عقل بھنگ یا دوا سے زائل ہوگئی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کی عقل ایک ایسے سبب سے زائل ہوئی ہے جو معصیت ہے، لہٰذا اس کی عقل کو حکماً باقی رکھا گیا اس کی تو بیخ کے لیے؛ چناں چہ اگر اس نے شراب پی پھر دردِ سر ہوا کہ جس سے عقل زائل ہوگئی تو ہم کہیں گے کہ اس کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ب) عبارت کا مطلب:

مسئلہ یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ تو امام کرخی، طحاوی اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ طلاقِ سکران واقع نہ ہوگی اور ہمارے نزدیک اگر کسی نے قصداً یعنی جانتے ہوئے کہ شراب ہے بلاضرورت پی گیا اور پھر طلاق دی تو واقع ہو جائے گی۔

نوٹ: اولاً یہ واضح رہے کہ سکران سے مراد ایسا نشہ ہے کہ آدمی کو کچھ بھی خبر نہ ہو حتیٰ کہ وہ آسمان زمین میں بھی امتیاز نہ کر سکے ایسے سکر میں اختلاف ہے، اسی لیے ہم نے (نشہ میں مست) ترجمہ کیا ہے۔ (فتح القدیر: ج ۳، ص ۴۷۲)

(ج) طلاق سکران کے سلسلے میں امام شافعیؒ کے قول اور ان کی دلیل کی وضاحت، نیز احناف کا مسلک مدلل:

دلائل: امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ طلاق سکران واقع نہ ہوگی اور یہی امام کرخی وطحاوی کا مختار مذہب ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ ارادۂ طلاق کے درست ہونے کے لیے عقل ہونا ضروری ہے اور سکران میں عقل نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ یعنی عقل نشہ کی وجہ سے اتنا مغلوب ہو چکی ہے گویا کہ معدوم ہوگئی تو یہ ایسی ہوگئی جیسے کہ بھنگ اور دوا سے عقل زائل ہو جائے اور بھنگ اور دوا سے عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے طلاق نہیں ہوتی، لہٰذا نشہ سے عقل زائل ہونے کی صورت میں بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ یہاں زوالِ عقل ایک معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے ہوا ہے، لہٰذا اس کو عذر تسلیم نہ کیا جائے گا؛ بلکہ حکماً کہا جائے گا کہ عقل باقی ہے؛ چناں چہ جب عقل باقی ہے تو ارادۂ طلاق بھی درست ہوا اور جب ارادۂ طلاق درست ہوا تو طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ ہاں! اگر شراب یا نشہ کی چیزوں میں سے کسی اور چیز کے پینے کی وجہ

Website:MadarseWale.blogspot.com

سے دردِ سر ہو گیا اور اس درد کی وجہ سے زوالِ عقل ہو گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیوں کہ اب اس صورت میں وہ معذور ہے اور دردِ سر نشہ کے لیے لازم نہیں؛ بلکہ اتفاق ہے، لہٰذا عقل کو نشہ کی وجہ سے زائل نہ مانا جائے گا؛ بلکہ امرِ خارج کی وجہ سے یہ زوال ہوا ہے، لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اور امام شافعیؒ کا بھنگ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اولاً خود متقدمین میں اس کے حرام وحلال ہونے میں اختلاف ہے؛ لیکن اگر حلت تسلیم کرلی جائے تو بھنگ کا استعمال ضرورت کی وجہ سے عموماً ہوتا ہے اور حرام شئی بھی بقدرِ ضرورت جائز ہوتی ہے، لہٰذا زوالِ عقل بھنگ میں معصیت کی وجہ سے نہ ہوا ہاں اگر بلا ضرورت یوں ہی کھا لیا تو طلاق واقع ہو جانی چاہیے۔ جیسا کہ عبد العزیز ترمذی سے امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر اسے معلوم ہے کہ یہ بھنگ ہے اور بلا ضرورت پی رہا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ (فتح القدیر: ج۳، ص۴۷۳)

نوٹ: صاحبِ ہدایہؒ نے فرمایا "سکر کی وجہ سے عقل زائل ہو گئی ہے" اس میں ذرا تسامح ہے؛ کیوں کہ اگر زوالِ عقل مان لیں تو پھر نشہ والے پر احکامِ شرعیہ لاگو نہیں ہونے چاہئیں حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہے۔ جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ نشہ سے عقل حد درجہ مغلوب ہو جاتی ہے اسی کو مصنف نے زوالِ عقل سے تعبیر کر دیا ہے۔

(فتح القدیر: ج۳، ص۴۷۲)

کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ آپ نے نشہ کو عذر قرار نہیں دیا اور طلاق واقع کر دی اس وجہ سے کہ معصیت ہے اور معصیت رخصت ہوتی نہیں، لہٰذا سفر بھی جب معصیت والا ہو تو رخصت نہیں ہونی چاہئے؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے؛ کیوں کہ سفر فی نفسہٖ معصیت نہیں ہے؛ بل کہ اس کی ابتداء یا انتہاء بغیر معصیت کے ہو سکتی ہے، برخلاف شراب کے یا نشہ کے کہ وہ بعینہٖ معصیت ہے۔ (فتح القدیر: ج۳، ص۴۷۲)

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۳۱، ہدایہ ثانی / ۳۵۹

(الف) عبارت بااعراب: وَطَلَاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلٰثٌ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْعَبْدًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ عَدَدُ الطَّلَاقِ مُعْتَبَرٌ بِحَالِ الرِّجَالِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالْعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ وَلَنَا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ طَلَاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھیں (ب) عدد طلاق کے معتبر ہونے کے سلسلے میں امام شافعیؒ و احناف کی دلیل عقلی، نیز امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کی توجیہ بھی قلم بند کریں۔

جواب

ترجمہ: اور باندی کی طلاق دو ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو، اور آزاد عورت کی تین طلاق ہیں، خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، اور امام شافعیؒ نے فرمایا: طلاق کا عدد مردوں کے حال پر معتبر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی وجہ سے "الطلاق بالرجال الخ" (طلاق مردوں کے ساتھ ہے اور عدت عورتوں کے ساتھ) اور ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "طلاق الأمة ثنتان الخ" باندی کی طلاق دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔

تشریح: اس عبارت میں طلاق کی تعداد کے سلسلے میں اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق کے عدد کے سلسلے میں مرد کا اعتبار ہے یعنی آزاد مرد کو تین طلاق اور غلام کو دو طلاق دینے کا اختیار ہے خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی، اور ہمارے نزدیک طلاق کی تعداد عورت کے اعتبار سے ہے یعنی باندی ہے تو دو طلاق کا شوہر کو اختیار ہوگا خواہ وہ شوہر غلام ہو یا آزاد، اور اگر بیوی آزاد ہے، تو تین طلاق کا اختیار ہوگا، اور امام شافعیؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Website:MadarseWale.blogspot.com

فرمایا کہ ”طلاق مردوں کے اعتبار سے ہے اور عدت عورتوں کے اعتبار سے“ اور احناف کی دلیل ”طلاق الامۃ الخ“ ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) عدد طلاق کے معتبر ہونے کے سلسلے میں امام شافعیؒ و احناف کی دلیل:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مالکیت کی صفت ایک کرامت اور نعمتِ الٰہی ہے، اور آدمیت اس کرامت کی مقتضی ہے اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ﴾ اور آدمیت کے معنی آزاد کے اندر مکمل طور پر پایا جارہا ہے، لہٰذا آزاد کا مالک ہونا بھی غلام سے بڑھ کر ہوگا، لہٰذا وہ تین طلاق کا مالک ہوگا اور غلام دو طلاق کا مالک ہوگا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ عورت کا نکاح کے ذریعہ حلال ہوجانا عورت کے حق میں نعمت ہے اور رقیت کا نعمت کی تنصیف میں اثر ہوا کرتا ہے جیسا کہ عقوبت کے اندر ہوتا ہے، لہٰذا جب تین طلاق آزاد کے لیے ہوئیں تو باندی کے لیے اس کا آدھا یعنی ڈیڑھ ہوئی؛ مگر طلاق میں تنصیف نہیں ہوتی، اسی وجہ سے آدھی کو ایک کردیا جائے گا، اور اس کے لیے مکمل دو طلاق ہوجائیں گی۔

امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کی توجیہ:

امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کی توجیہ یہ ہے کہ طلاق کو واقع کرنے کا تعلق مرد سے ہے عورت کا اس میں کوئی دخل نہیں؛ بلکہ عورت کا کام عدت گذارنا ہے۔

محل امتحان نمبر۳۲، ہدایہ ثانی ۳۶۲/۲

(الف) عبارت بااعراب: وَإِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِيقَةٍ أَوْ ثُلُثَ تَطْلِيقَةٍ كَانَتْ طَالِقًا تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً لِأَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَتَجَزّٰى وَذِكْرُ بَعْضِ مَالَا يَتَجَزّٰى كَذِكْرِ الْكُلِّ وَكَذَا الْجَوَابُ فِي كُلِّ جُزْءٍ سَمَّاهُ لِمَا بَيَّنَّا وَلَوْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثَةَ أَنْصَافِ تَطْلِيقَتَيْنِ فَهِيَ ثَلٰثًا لِأَنَّ نِصْفَ التَّطْلِيقَتَيْنِ تَطْلِيقَةٌ فَإِذَا جُمِعَ بَيْنَ ثَلٰثَةِ أَنْصَافٍ تَكُوْنُ ثَلٰثُ تَطْلِيقَاتٍ ضَرُوْرَةً.

Website:MadarseWale.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت میں ذکر کردہ مسائل اور دلائل کی تشریح کریں (ج) کذا الجواب الخ کی مثال دے کر وضاحت کریں۔

جواب

ترجمہ: اور اگر اس کو (عورت کو) ایک طلاق کا نصف طلاق دیا یا ایک طلاق کا تہائی تو وہ ایک طلاق والی ہوگی؛ کیوں کہ طلاق متجزی نہیں ہوتی، اور بعض مالا یتجزیٰ کا ذکر کل کے ذکر کے مانند ہے اور یہی حکم ہر ایسے جزء میں ہے جس کو بیان کیا ہو، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور اگر عورت سے کہا کہ تو دو طلاقوں کے تین نصف والی ہے تو یہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ مطلقہ ہوگی؛ کیوں کہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے، پس تین نصف جمع کئے گئے تو تین طلاقیں ہوں گی ضروری طور پر۔

(ب) عبارت میں ذکر کردہ مسائل اور دلائل کی تشریح:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو آدھی طلاق دی مثلاً کہا "أنت طالق نصف تطليقة" یا ایک ثلث طلاق دی مثلاً کہا "أنت طالق ثلث تطليقة" تو ان دونوں صورتوں میں ایک طلاق ہوگی۔

دلیل: یہ ہے کہ اس نے ایسی شی کی تجزی کی ہے جس کے اجزاء ہو نہیں سکتے؛ کیوں کہ طلاق تجزی کو قبول نہیں کرتا، پس طلاق کے جزء کو ذکر کرنے سے یہ مان لیا جائے گا کہ اس نے پوری طلاق دی ہے، لہٰذا ایک طلاق واقع ہو جائے گی؛ تا کہ عاقل بالغ سے صادر ہونے والا کلام لغو نہ ہو۔ (حاشیہ ہدایہ: ص/۳۶۲)

(ج) کذا الجواب الخ کی مثال سے وضاحت:

كذا الجواب في الخ: یعنی اسی طرح وہ طلاق کا کوئی سا بھی جزء ذکر کرے۔ مثلاً کہے "طلقت ربع تطليقة يا عشر تطليقة" تب بھی ایک طلاق پڑ جائے گی۔ دلیل وہی ہے جو گزری کہ طلاق تجزی کو قبول نہیں کرتا، پس جزء کا ذکر کرنا گویا کل کا ذکر کرنا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

ولو قال أنت طالق ثلثة انصاف تطليقتين: یعنی اگر کسی نے کہا تجھے دو طلاق کا تین نصف، پس اس صورت میں تین طلاق واقع ہوگی؛ کیوں کہ دو طلاق کا ایک نصف ۲۔ ایک ہے تو ایک طلاق ایک نصف ہوا اب دو نصف اور شمار کرلو تین طلاق ہوں گی، لہٰذا مذکورہ صورت میں تین طلاق پڑ جائیں گی۔ اور دو طلاق کا تین نصف کی صورت میں تین ہوں گی یہ بالکل بدیہی بات ہے ذرا سا غور کرلو سمجھ میں آجائے گا۔ (انشاء اللہ)

محل امتحان نمبر ۳۳، ہدایہ ثانی ۳۶۴

(الف) عبارت بااعراب: وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ فِيْ غَدٍ وَقَالَ نَوَيْتُ اٰخِرَ النَّهَارِ دُيِّنَ فِي الْقَضَاءِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَا يُدَيَّنُ فِي الْقَضَاءِ خَاصَّةً لِأَنَّهُ وَصَفَهَا بِالطَّلَاقِ فِيْ جَمِيْعِ الْغَدِ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ غَدًا عَلٰى مَا بَيَّنَّا وَلِهٰذَا يَقَعُ فِيْ أَوَّلِ جُزْءٍ مِنْهُ عِنْدَ عَدَمِ النِّيَّةِ وَهٰذَا لِأَنَّ حَذْفَ "فِي" وَإِثْبَاتَهُ سَوَاءٌ لِأَنَّهُ ظَرْفٌ فِي الْحَالَيْنِ وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّهُ نَوٰى حَقِيْقَةَ كَلَامِهٖ لِأَنَّهُ كَلِمَةُ فِيْ لِلظَّرْفِ وَالظَّرْفِيَّةُ لَا تَقْتَضِي الْاِسْتِيْعَابَ بِخِلَافِ قَوْلِهٖ غَدًا، لِأَنَّهُ يَقْتَضِي الْاِسْتِيْعَابَ.

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کرتے ہوئے امام صاحبؒ نے "غداً" و "في غد" میں دو فرق بیان فرمایا ہے اس کی وضاحت کریں۔

جواب

ترجمہ: اور اگر شوہر نے "أنت طالق في غد" کہا (تجھ کو کل کے دن میں طلاق ہے) اور اس نے کہا کہ میں نے دن کے آخری حصہ کی نیت کی ہے تو قضاء میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ قضاء میں خاص طور سے تصدیق نہیں کی جائے گی؛ اس لیے کہ اس نے عورت کو طلاق کے ساتھ تمام غد میں متصف کیا ہے تو یہ اس کے قول "غداً" کے درجہ میں ہوگیا اس طریقہ پر جو

Website:MadarseWale.blogspot.com

ہم بیان کر چکے ہیں اور اسی لیے نیت کے نہ ہونے کے وقت غد کے اول جزء میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور یہ اس لیے کہ ''فی'' کا حذف اور اس کا ثابت رکھنا برابر ہے؛ اس لیے کہ ''غد'' دونوں حالتوں میں ظرف ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت کی نیت کی ہے؛ اس لیے کہ کلمہ ''فی'' ظرف کے لیے ہے اور ظرفیت استیعاب کا (مکمل طور پر گھیرنے اور احاطہ کرنے کا) تقاضا نہیں کرتا بر خلاف اس کے قول غداً کے؛ اس لیے کہ وہ استیعاب کا تقاضا کرتا ہے۔

(ب) مطلب اور ''غداً'' و ''في غد'' میں فرق کی وضاحت:

خلاصہ یہ کہ اگر کسی نے اپنی عورت سے کہا ''أنت طالق في غدٍ'' اور اس نے کہا کہ میں نے غد کے جزء اخیر میں طلاق دینے کی نیت کی ہے تو سب کے نزدیک دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی؛ لیکن قضاءً تصدیق کی جائے گی یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

امام صاحبؒ کے نزدیک قضاء بھی تصدیق کی جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں کی جائے گی۔

صاحبینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اس نے ''فی غد'' میں طلاق کو تمام غد کی طرف منسوب کیا ہے تو یہ ''أنت طالق غداً'' کی طرح ہو گیا، پس جیسے غداً کی صورت میں غداً کے جزء کی نیت کی تصدیق نہیں کی جائے گی؛ کیوں کہ یہ خلاف ظاہر کی نیت ہے۔ اسی طرح فی غد میں بھی آخری جزء میں طلاق کی نیت کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اور اس لیے کہ اس نے عورت کو طلاق کے ساتھ جمیع غد میں متصف کیا ہے اسی لیے نیت کے نہ ہونے کے وقت بالاتفاق ''غد'' ''فی'' کے حذف کے وقت عمومِ زمان کا فائدہ دیتا ہے تو ''فی'' کے ثابت رکھنے کے ساتھ بھی فائدہ دے گا اور جزئیت کا اعتبار نہ ہوگا۔

(فتح القدیر: ج ۴، ص ۲۶)

امام صاحبؒ کی دلیل: یہ ہے کہ ''فی غد'' میں استیعابِ غد کا تقاضہ نہ کرنا یہ اس کی حقیقت ہے، پس جب وہ ''غد'' کے کسی جزء کی نیت کر رہا ہے تو فی غد کی صورت میں قضاء

Website:MadarseWale.blogspot.com

بھی تصدیق کی جائے گی برخلاف غداً کے کہ اس میں استیعاب ہی اس کی حقیقت ہے، پس جب وہ غداً کی صورت میں غد کے کسی جزء کی نیت کر رہا ہے تو تصدیق نہیں کی جائے گی؛ کیوں کہ یہ نیت خلافِ حقیقت ہے اب اس بات کی دلیل کہ ''فی'' کی صورت میں عدمِ استیعاب ہی اس کی حقیقت ہے اور بغیر ''فی'' کے استیعاب، اللہ کا یہ فرمان ہے ﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾، پس اس آیت میں جہاں ''فی'' ہے اس میں استیعاب نہیں؛ البتہ جہاں ''فی'' نہیں ہے یعنی ''یوم یقوم الخ'' وہاں استیعاب ملحوظ ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نصرت دنیا میں مسلمانوں اور رسولوں کے ساتھ کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں؛ البتہ آخرت میں نصرت دائمی ہوگی۔ (فتح القدیر حاشیہ: ج۴، ص۲۶)

پس اس سے فی غدٍ اور غداً کا بھی فرق واضح ہو گیا کہ فی غدٍ میں جز کی نیت کا قضاءً اعتبار ہے اور غداً میں نہیں ہے؛ کیوں کہ پہلی صورت میں حقیقت کی نیت ہے اور دوسری میں خلافِ ظاہر اور خلافِ حقیقت کی نیت ہے جو معتبر نہیں ہے۔

محل امتحان نمبر ۳۴، ہدایہ ثانی ۳۶۴

(الف) عبارت با اعراب: وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ أَمْسِ وَقَدْ تَزَوَّجَهَا الْيَوْمَ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِأَنَّهُ أَسْنَدَهُ إِلَى حَالَةٍ مَعْهُودَةٍ مُنَافِيَةٍ لِمَا لِكِيَّةِ الطَّلَاقِ فَيَلْغُو كَمَا إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ وَلِأَنَّهُ يُمْكِنُ تَصْحِيحُهُ إِخْبَارًا عَنْ عَدَمِ النِّكَاحِ أَوْ عَنْ كَوْنِهَا مُطَلَّقَةً بِتَطْلِيقِ غَيْرِهِ مِنَ الْأَزْوَاجِ وَلَوْ تَزَوَّجَهَا أَوَّلَ مِنْ أَمْسِ وَقَعَ السَّاعَةَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی اطمینان بخش تشریح کرتے ہوئے دلائل کو واضح کریں (ج) مذکورہ دونوں مسئلوں میں فرق کیوں ہوا؟ واضح کریں (د) دوسرے مسئلہ کی دلیل بھی لکھیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور اگر (شوہر نے بیوی سے) کہا کہ تو کل گذشتہ طلاق والی ہے دراں حالے کہ اس (عورت) سے آج نکاح کیا تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی؟ کیوں کہ اس نے طلاق کو ایسی حالتِ معہودہ کی طرف منسوب کیا ہے جو مالکیتِ طلاق کے منافی ہے، پس لغو ہوگا۔ جیسا کہ جب کہا تو طلاق والی ہے قبل اس کے کہ میں پیدا کیا جاؤں اور اس لیے کہ ممکن ہے اس کو صحیح قرار دینا عدمِ نکاح کی خبر دیتے ہوئے یا اس بات کی کہ وہ عورت کسی دوسرے شوہر کے طلاق دینے سے مطلقہ ہے۔ اور اگر اس سے نکاح کیا کل گذشتہ سے پہلے تو اسی وقت واقع ہو جائے گی۔

(ب) عبارت کی تشریح اور دلائل کی وضاحت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے اپنی ایسی بیوی سے کہا جس سے اس نے آج ہی یعنی طلاق کے تکلم والے دن میں نکاح کیا ہے کہ تجھے کل گذشتہ طلاق ہے یعنی أنت طالق أمس کہا تو اس صورت میں طلاق اس کی منکوحہ نہیں تھی بس طلاق کی نسبت ایسے زمانے کی طرف کی ہے جس میں وہ عورت اس کی منکوحہ نہیں تھی، پس طلاق کی ایسے زمانے کی طرف نسبت کرنا لغو ہوگا اور یہ مسئلہ ایسا ہو گیا جیسے کہ اس نے کہا کہ تجھے میرے پیدا ہونے سے پہلے طلاق، یا تیرے پیدا ہونے سے پہلے تجھے طلاق ''أنت طالق قبل ان اخلق، او تخلقی'' اور ایسی صورت میں طلاق نہیں ہوتی، پس جو اس کے مشابہ ہے اس میں بھی نہیں ہوگی۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ اس کلام کو لغو قرار نہ دیا جائے؛ کیوں کہ صحیح بنانا ممکن ہے بایں طور کہ ہوسکتا ہے کہ اس نے ''أنت طالق أمس'' کہہ کر یہ خبر دی ہو کہ کل گذشتہ وہ میرے نکاح میں نہیں تھی یا یہ کہ کل گذشتہ دوسرے شوہر سے مطلقہ تھی اور یہ بالکل درست ہے ان دونوں صورتوں میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور کلام لغو ہونے سے بچ جائے گا۔

اور اگر اس نے کہا ''أنت طالق أمس'' جب کہ اس کا نکاح اس عورت سے کل سے پہلے

Website:MadarseWale.blogspot.com

یعنی گذشتہ پرسوں ہو چکا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیوں کہ اس نے طلاق کو طلاق کے منافی زمانے کی طرف منسوب نہیں کیا؛ بلکہ ایسے زمانے کی طرف منسوب کیا ہے جس میں عورت اس کی ملکیت میں ہے اور طلاق کی بھی ملکیت ہے، لہٰذا طلاق کو خبر بنا کر صحیح قرار دینا بھی ممکن نہیں جیسا کہ سابق مسئلہ میں تھا، پس لامحالہ اس کا کلام انشاء ہوگا اور انشاء في الماضي انشاء في الحال ہوتا ہے یعنی موجودہ زمانے میں رہتے ہوئے ماضی میں کوئی حکم ثابت کیا جائے تو وہ حکم زمانۂ حال میں ثابت ہوتا ہے؛ کیوں کہ ماضی میں ثابت کرنے پر کسی کو قدرت نہیں ہے۔

(ج) مذکورہ دونوں مسئلوں میں فرق کیوں ہوا؟

مذکورہ دونوں مسئلوں میں فرق اس وجہ سے ہوا کہ پہلے مسئلہ میں اس نے طلاق کو منافی طلاق زمانے کی طرف منسوب کیا؛ کیوں کہ جس زمانے کی طرف اس نے طلاق کو منسوب کیا ہے اس میں وہ اس کی منکوحہ ہی نہ تھی کہ طلاق کا اختیار ہوتا، پس منافی طلاق زمانہ کی طرف نسبت کی وجہ سے طلاق نہ ہوگی۔

برخلاف دوسرے مسئلہ کے کہ اس میں اس نے طلاق کو ایسے زمانے کی طرف منسوب کیا ہے جس میں اسے ملکیت حاصل ہے، پس اس کی طرف طلاق کی نسبت بھی درست ہے؛ کیوں کہ طلاق کو اس نے ایسے زمانے کی طرف منسوب نہیں کیا جو ملکیت طلاق کے منافی ہو، لہٰذا نیت درست ہے اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(د) دوسرے مسئلہ کی دلیل:

اس کی دلیل تشریح کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

محل امتحان نمبر ۳۵، ہدایہ ثانی ۳۶۶/

(الف) عبارت با اعراب: وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَةٍ يَوْمَ أَتَزَوَّجُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا لَيْلًا طُلِّقَتْ لِأَنَّ الْيَوْمَ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ بَيَاضُ النَّهَارِ فَيُحْمَلُ

Website:MadarseWale.blogspot.com

عَلَيْهِ إِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ يَمْتَدُّ كَالصَّوْمِ وَالْأَمْرِ بِالْيَدِ لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ الْمِعْيَارُ وَهٰذَا أَلْيَقُ بِهِ وَيُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ قَالَ تَعَالٰى "وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ" وَالْمُرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ إِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ لَا يَمْتَدُّ وَالطَّلَاقُ مِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) یوم سے کب مطلق وقت مراد ہوتا ہے اور کب بیاض نہار؟ ضابطہ لکھ کر ممتد اور معیار کی تعریف مع امثلہ لکھیں، نیز پوری عبارت کا مطلب تحریر کریں۔

جواب

ترجمه: اور کسی شخص نے ایک عورت سے کہا کہ جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے اس عورت سے رات میں نکاح کیا تو وہ مطلقہ ہو جائے گی؛ اس لیے کہ "یوم" کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے بیاض نہار مراد لیا جاتا ہے، پس یوم کو اسی پر محمول کیا جائے گا جب یوم فعل ممتد سے ملا ہوا ہو جیسے روزہ اور امر بالید؛ اس لیے کہ اس سے مراد معیار ہوتا ہے اور یہی اس کے زیادہ لائق ہے، اور یوم ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مطلق وقت مراد لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو شخص اس دن (میدان جنگ کے دن) کافروں سے پیٹھ پھیر کر بھاگے گا (اور یہاں آیت میں اس سے مراد (مطلق وقت) ہے، پس یوم کو اس پر یعنی مطلق وقت پر محمول کیا جائے گا جب یوم فعل غیر ممتد سے متصل ہو اور طلاق اسی قبیل سے ہے۔

(ب) یوم سے کب مطلق وقت مراد ہوتا ہے اور کب بیاضِ نہار؟...نیز پوری عبارت کا مطلب:

ضابطہ تعریف مع امثلہ: ظرف کا متعلّق جب فعل ممتد ہو تو فقط بیاضِ نہار مراد ہوگا اور اگر ظرف کا متعلق فعل غیر ممتد ہو تو مطلق وقت مراد ہوگا۔ (حاشیہ ہدایہ: ۳۶۶)

Website:MadarseWale.blogspot.com

حدّ الممتد: ”ھو ما یصح فیہ ضرب المدۃ کاللبس والرکوب“
فعل ممتد سے مراد یہ کہ اس فعل کے کرنے میں کچھ وقت لگتا ہو جیسے سوار ہونا، پہننا کہا جاتا ہے ”رکبت یومًا لبست یوماً“ (فتح القدیر: ج۴/ص۲۳)

حدالفعل الغیر الممتد: ”الفعل الغیر الممتد ھو الذی یکفی لہ جزء من الوقت“ فعل غیر ممتد وہ ہے کہ جس کے لیے وقت مدید کی ضرورت نہ ہو؛ بلکہ مطلق وقت کافی ہو جیسے ”أنت طالق یوم اتزوجک“۔ (نورالانوار: ص/۱۰۲)

حدالمعیار: ”المعیار مالا یفضل عن المظروف کالصوم“ (حاشیہ: ہدایہ ثانی) یعنی معیار وہ ہے جو مظروف سے زائد نہ ہو یعنی مؤقت کو گھیر لے اور اس سے زائد نہ ہو کہ ظرف کے طویل ہونے سے وہ بھی طول ہو جائے اور قصیر ہونے سے وہ بھی قصیر ہو جائے۔ (نوالانوار: ص/۵۵)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

مطلب: اوّلاً یہ جاننا چاہیئے کہ لفظ نہار، طلوع شمس سے غروب تک کے وقت کے ساتھ خاص ہے اور ”لیل“ غروب سے لے کر طلوع تک کے ساتھ اور ”یوم“ صحیح قول کے مطابق بیاض نہار کے لیے حقیقتاً مستعمل ہے اور مطلق وقت میں مجاز ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت سے کہا کہ جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے ”یوم اتزوجک فأنت طالق“ تو اب یوم سے کیا مراد ہے بیاض نہار یا مطلق وقت؟ کیوں کہ ”یوم“ مطلق وقت کے لیے بھی ہے اور بیاض نہار کو بھی شامل ہے؛ چناں چہ اس کے لیے مصنف نے ایک قاعدہ بیان کر دیا کہ اگر ”یوم“ ایسے فعل سے متصل ہو جو ممتد ہوتا ہے تو اس سے مراد فقط بیاض نہار ہوگا جیسے اس نے کہا ”أصوم یوم یقدم فلان“ یا ”أمرک بیدک یوم یقدم زید“ تو ان دونوں میں صوم اور امر بالید فعل ممتد ہیں، لہٰذا بیاض نہار ہی مراد ہوگا، پس رات میں آنے کی صورت میں نہ روزہ لازم ہوگا اور نہ امر بالید ہوگا اور اگر فعل غیر ممتد سے مقترن ہے تو مطلق وقت مراد ہوگا جیسے ”أنت طالق یوم یقدم زید“ تو اس میں طلاق غیر ممتد فعل پر معلق ہے، لہٰذا جب بھی

Website:MadarseWale.blogspot.com

زید آئے گا رات ہو یا بیاض نہار، طلاق واقع ہو جائے گی۔

لأن الیوم: اور قال اللہ تعالٰی ان دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ یوم بیاض نہار کے لیے بھی مستعمل ہے جیسے صوم اور امر بالید کی صورت میں، اور مطلق وقت میں بھی مستعمل ہے جیسے اللہ کا قول "یومئذ دبره" یہاں تہدید اور دھمکی صرف بیاض نہار میں پیٹھ دکھانے والوں کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ جو بھی پیٹھ دکھائے خواہ بیاض نہار میں ہو یا لیل میں، پس جب یوم کا دونوں معنی میں استعمال ہے تو کہاں کیا مراد لیا جائے اس کے لیے مصنف نے قاعدہ بیان کر دیا جو ماقبل کی تشریح میں گذر چکا ہے۔

محل امتحان نمبر ۳۶، ہدایہ ثانی ۳۶۶/

(الف) عبارت با اعراب: وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنَا مِنْكِ طَالِقٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ وَإِنْ نَوىٰ طَلَاقًا وَلَوْ قَالَ أَنَا مِنْكِ بَائِنٌ أَوْ عَلَيْكِ حَرَامٌ يَنْوِي الطَّلَاقَ فَهِيَ طَالِقٌ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَقَعُ الطَّلَاقُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ أَيْضًا إِذَا نَوىٰ لِأَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ. وَكَذَا الْحِلُّ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا وَالطَّلَاقُ وُضِعَ لِإِزَالَتِهِمَا فَيَصِحُّ مُضَافًا إِلَيْهِ كَمَا يَصِحُّ مُضَافًا إِلَيْهَا كَمَا فِي الْإِبَانَةِ وَالتَّحْرِيمِ، وَلَنَا أَنَّ الطَّلَاقَ لِإِزَالَةِ الْقَيْدِ وَهُوَ فِيهَا دُونَ الزَّوْجِ بِخِلَافِ الْإِبَانَةِ لِأَنَّهَا لِإِزَالَةِ الْوُصْلَةِ وَهِيَ مُشْتَرَكٌ وَبِخِلَافِ التَّحْرِيمِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) صورتِ مسئلہ کی وضاحت کے بعد فریقین کے دلائل بیان کریں (ج) کما في الإبانته والتحريم کا جواب احناف کی طرف سے لکھیں۔

جواب

ترجمہ: کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھ سے طالق ہوں تو یہ کچھ نہیں ہے اگر

Website:MadarseWale.blogspot.com

چہ طلاق کی نیت کی ہو۔ اور اگر کہا میں تجھ سے بائن ہو یا تجھ پر حرام ہوں: دراں حالاں کہ وہ طلاق کی نیت کرتا ہے۔ تو یہ عورت) طلاق والی ہوگی۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ طلاق واقع ہوگی پہلی صورت میں جب کہ نیت کی ہو؛ کیوں کہ ملکِ نکاح میاں اور بیوی دونوں کے درمیان مشترک ہے اور اسی طرح حلت ان دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ اور طلاق ان دونوں کو زائل کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے، پس طلاق شوہر کی طرف منسوب ہو کر صحیح ہوگی۔ جیسا کہ عورت کی طرف منسوب ہو کر صحیح ہے۔ جس طرح اہانت اور تحریم میں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق قید کو زائل کرنے کے لیے ہے۔ اور وہ (قید) عورت میں ہے نہ کہ شوہر میں۔ بر خلاف ابانت کے؛ کیوں کہ وہ (ابانت) تعلق کو زائل کرنے کے لیے ہے اور وہ (تعلق) مشترک ہے اور بر خلاف تحریم کے۔

(ب) صورتِ مسئلہ کی وضاحت اور فریقین کے دلائل:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے "انا منک طالق" کہا اور طلاق کی نیت بھی کی، تو ہمارے نزدیک واقع نہ ہوگی۔ اور اگر "انا منک بائن یا انا علیک حرام" کہا اور طلاق کی نیت بھی کی تو طلاق پڑ جائے گی۔ اور امام شافعیؒ "انا منک بائن" اور "انا علیک حرام" میں تو وہی کہتے ہیں جو احناف نے کہا یعنی طلاق پڑ جائے گی؛ لیکن وہ "انا منک طالق" میں بھی طلاق واقع کرنے کے قائل ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک "انا منک طالق" میں نہیں پڑے گی اور مؤخر الذکر دونوں الفاظ سے طلاق پڑ جائے گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک تینوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی بشرطیکہ نیت کی ہو تو "انا منک طالق" میں احناف اور شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے جو ملکیت حاصل ہوئی ہے اس میں میاں بیوی دونوں مشترک ہیں اسی وجہ سے کہ ملکیت دونوں میں مشترک ہے عورت شوہر سے وطی کا مطالبہ کر سکتی ہے اسی طرح شوہر عورت سے وطی پر قدرت دینے کا مطالبہ کر سکتا ہے اور حلت میں بھی دونوں مشترک ہیں اسی وجہ سے دونوں کا ہر ایک سے استمتاع حلال ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

Website:MadarseWale.blogspot.com

خلاصہ یہ کہ نکاح سے حاصل شدہ ملکیت اور حلت دونوں میں دونوں مشترک ہیں اور طلاق انہیں دونوں کو زائل کرنے کے لیے ہے، لہٰذا طلاق کو جس طرح عورت کی جانب منسوب کرنا درست ہے اسی طرح مرد کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح ہے خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کی طرف طلاق کی نسبت کرنا درست ہے، پس جب نسبت درست ہے تو ''انـا منک طالق'' سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ جس طرح ''انا منک بائن اور انا علیک حرام'' سے ہو جاتی ہے۔ (فتح القدیر: ص/۳۵)

ہماری دلیل: یہ ہے کہ طلاق قیدِ نکاح کو زائل کرنے کے لیے ہے اور قید صرف عورت کے ساتھ ہے اسی وجہ سے بیوی کو دوسرے شوہر سے نکاح کرنا اور بغیر اجازت کے نکلنا جائز نہیں ہے اور مرد کو اجازت ہے تو معلوم ہوا کہ نکاح کی وجہ سے جو قید ہے وہ صرف عورت کے لیے ہے اور طلاق اسی قید کو زائل کرنے کے لیے ہے تو یہ قید اسی وقت زائل ہوگی یعنی طلاق واقع ہوگی جب طلاق قید کی طرف منسوب ہو، لہٰذا اگر غیر محل کی طرف طلاق کو منسوب کیا گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور یہاں ''انا منک طالق'' میں مرد کی جانب طلاق منسوب ہے جو کہ قید کا محل نہیں ہے، لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی۔

(ج) کما في الإبانتہ و التحریم کا جواب:

امام شافعیؒ کا جواب یہ ہے کہ آپ کا ''أنـا منک طالق'' کو ''أنا منک'' بائن پر قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ لفظ بائن کو وضع کیا گیا ہے، اس تعلق کو ختم کرنے کے لیے جس میں دونوں مشترک ہیں اور ''تحریم'' کو حلت زائل کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے جس میں دونوں مشترک ہیں تو ان دونوں کی نسبت شوہر کی جانب کرنا درست ہے۔ برخلاف طلاق کے کہ وہ ازالہ قید کے لیے ہے اور قید صرف عورت میں ہے، لہٰذا طلاق کو اسی کی جانب منسوب کیا جائے گا تبھی طلاق پڑے گی۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ ''أنـا منک طالق کو ''أنـا منک بائن اور علیک حرام پر قیاس کرنا ہی درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۳۷، ہدایہ ثانی/ ۳۶۷

(الف) عبارت بااعراب: وَإِذَا مَلَکَ الزَّوْجُ إِمْرَأَتَهُ أَوْ شِقْصًا مِنْهَا أَوْ مَلَکَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا أَوْ شِقْصًا مِنْهُ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ لِمُنَافَاةِ بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ أَمَّا مِلْكُهَا إِيَّاهُ فَلِاجْتِمَاعِ بَيْنَ الْمَالِكِيَّةِ وَالْمَمْلُوكِيَّةِ. وَأَمَّا مِلْكُهُ إِيَّاهَا فَلِأَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ ضَرُورِيٌّ وَلَا ضَرُورَةَ مَعَ قِيَامِ مِلْكِ الْيَمِينِ فَيَنْتَفِي وَلَوْ اشْتَرَاهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِأَنَّ الطَّلَاقَ يَسْتَدْعِي قِيَامَ النِّكَاحِ وَلَا بَقَاءَ لَهُ مَعَ الْمُنَافِي.

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مذکورہ مسائل کی مدلل اور مکمل تشریح کریں (ج) مطلب لکھتے ہوئے "لمنافاة بين الملكين اور فلان ملك النكاح ضروري" کو اچھی طرح سمجھائیں۔

جواب

ترجمہ: اور جب شوہر مالک ہوگیا اپنی بیوی کا یا اس کے کسی حصہ کا، عورت مالک ہوگئی اپنے شوہر کی، یا اس کے کسی حصہ کی، تو فرقت واقع ہوجائے گی دونوں ملکوں کے درمیان منافات کی وجہ سے، بہر حال بیوی کا شوہر کا مالک ہونا تو مالکیت اور مملوکیت کے درمیان اجتماع کی وجہ سے ہے اور رہا شوہر کا بیوی کا مالک ہونا تو اس لیے کہ ملک نکاح منتفی ہوجائے گی۔ اور اگر شوہر نے بیوی کو خریدا پھر اسے طلاق دی تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ طلاق بقاء نکاح کا تقاضا کرتی ہے اور منافی کے ہوتے ہوئے نکاح کے لیے بقاء نہیں ہے۔

(ب) مذکورہ مسائل کی مدلل اور مکمل تشریح:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا مالک بن جائے مثلاً اس نے کسی شخص کی

Website:MadarseWale.blogspot.com

باندی سے نکاح کیا پھر اسے خرید لیا یا بطور ہبہ اس کو مل گئی یا وراثت میں ملی، تو نکاح ختم ہوجائے گا اور دونوں میں فرقت واقع ہوجائے گی اور اسی طرح جب بیوی کے کسی جزء کا مالک ہوجائے تب بھی نکاح ختم ہوجائے گا۔ اور یہی مسئلہ ہے اس صورت میں بھی جب بیوی شوہر کی مالک ہوجائے مثلاً اس نے کسی کے غلام سے نکاح کیا تھا پھر اسے خرید لیا اسی طرح اگر شوہر کے کسی جزء کی مالک ہوجائے خریدنے کی وجہ سے یا ہبہ کی وجہ سے یا کسی اور طریقہ سے تب بھی فرقت واقع ہوجائے گی ملک نکاح اور ملک رقبہ کے درمیان منافات کی وجہ سے، یعنی شئ واحد میں ملک نکاح اور ملک رقبہ دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔

چناں چہ اس صورت میں جب بیوی شوہر کی مالک ہو تو فرقت اس وجہ سے واقع ہوگی کہ ایک ہی ذات مالکہ بھی ہے اور مملوکہ بھی اس کی توضیح یہ ہے کہ بیوی جب شوہر کی مالک ہوئی تو اس کا تقاضہ ہے کہ بیوی مالک ہو اور شوہر مملوک۔ اور نکاح تقاضہ کرتا ہے کہ بیوی مملوکہ ہو اور شوہر مالک، تو اس صورت میں ملک رقبہ اور ملک نکاح کے جمع ہوجانے سے ایک ہی ذات کا مالک اور مملوک ہونا لازم آ گیا اور یہ محال ہے۔

اور جب شوہر بیوی کا مالک ہو تو اس صورت میں فرقت کی وجہ یہ ہے کہ حرہ پر ملک نکاح خلاف قیاس ہے، اور جو چیز خلاف قیاس ہو وہ ضرورت پر منحصر ہوتی ہے اور ضرورت بقاء نسل ہے یعنی حرہ پر ملک نکاح ثابت ہے بقاء نسل کی ضرورت کی وجہ سے اور ملک یمین کے ہوتے ہوئے کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا ملک یمین کے حاصل ہوتے ہی ملک نکاح زائل ہوجائے گی۔

قولہ ولو اشتراھا: یعنی اگر شوہر نے اپنی باندی کو خریدا پھر اسے طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیوں کہ طلاق کے واقع کرنے کے لیے بقاء ملک نکاح چاہیے۔ اور ملک نکاح خریدتے ہی زائل ہوچکی ہے؛ کیوں کہ نکاح اپنے منافی یعنی ملک یمین کے ہوتے ہوئے باقی نہیں رہ سکتا نہ تو من وجہ کہ ایک عدت اس کو لازم ہو؛ کیوں کہ عدت لازم ہی نہیں ہے اور من کل الوجوہ، تو طلاق ملک نکاح میں واقع نہیں ہوئی ہے، لہٰذا اسے طلاق نہیں پڑے گی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ج) مطلب:

اس کا جواب تشریح کے ذیل میں گزر چکا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

محل امتحان نمبر ۳۸، ہدایہ ثانی /۳۶۹

(الف) عبارت با اعراب: وَمَنْ قَالَ لِإِمْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ هٰكَذَا يُشِيْرُ بِالْإِبْهَامِ وَالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى فَهِيَ ثَلٰثٌ لِأَنَّ الْإِشَارَةَ بِالْأَصَابِعِ تُفِيْدُ الْعِلْمَ بِالْعَدَدِ فِيْ مَجْرَى الْعَادَةِ إِذَا اقْتَرَنَتْ بِالْعَدَدِ الْمُبْهَمِ، وَإِنْ أَشَارَ بِوَاحِدَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَإِنْ أَشَارَ بِالثِّنْتَيْنِ فَهِيَ ثِنْتَانِ لِمَا قُلْنَا وَالْإِشَارَةُ تَقَعُ بِالْمَنْشُوْرَةِ مِنْهَا وَقِيْلَ إِذَا أَشَارَ بِظُهُوْرِهَا فَبِالْمَضْمُوْمَةِ مِنْهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب کی مکمل وضاحت کریں (ج) مضمومہ یا منشورہ سے طلاق واقع ہونے کی صورت میں اس کے برعکس نیت کی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو اتنی طلاق والی ہے اشارہ کرتا ہے (اپنے) انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے، تو یہ تین (طلاق) ہیں؛ کیوں کہ انگلیوں سے اشارہ عادۃً عدد کے جاننے کا فائدہ دیتا ہے جب کہ اشارہ عدد مبہم کے ساتھ متصل ہے، اور اگر اس نے ایک (انگلی) سے اشارہ کیا تو یہ ایک (طلاق) ہے اور اگر دو (انگلیوں) سے اشارہ کیا تو یہ دو (طلاقیں) ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور اشارہ کھلی ہوئی انگلیوں سے واقع ہوتا ہے اور کہا گیا کہ جب انگلیوں کے پشت سے اشارہ کرے تو بند انگلیوں سے (اشارہ واقع ہوگا)۔

(ب) مطلب کی مکمل وضاحت:

جس شخص نے اپنی منکوحہ بیوی سے کہا کہ ”أنت طالق هكذا“ اور انگوٹھے،

Website:MadarseWale.blogspot.com

شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرتا ہے یعنی تین انگلیاں اٹھا کر کہا تو اتنی سے طالقہ ہے تو اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

دلیل: یہ ہے کہ جب اشارہ عددِ مبہم کے ساتھ متصل ہو تو عادتاً انگلیوں سے اشارہ کرنا عدد کے جاننے کا فائدہ دیتا ہے اور عدد جاننے کے لیے انگلیوں سے اشارہ کافی ہے؛ کیوں کہ اگر آدمی کہے کہ اتنی چیز تو کچھ معلوم نہیں ہوگا کہ کتنی تعداد کا قصد کرتا ہے اور جب اس نے انگلیوں سے اشارہ کر دیا تو معلوم ہو گیا، پس جب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تو اتنی طلاق سے طالقہ ہے اور تین انگلیاں اٹھائیں تو معلوم ہو گیا کہ تین طلاق سے طالقہ ہے؛ کیوں کہ انگلیوں کو اٹھانا یہ مبہم کا بیان ہے۔ اور اگر ہکذا کہہ کر ایک انگلی سے اشارہ کیا تو ایک واقع ہوگی اور اگر دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو دو واقع ہو جائیں گی سابقہ دلیل کی وجہ سے، اور سابقہ دلیل ''لأن الإشارة بالأصابع تفيد العلم الخ'' ہے۔

صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ طلاق کے عدد میں کھلی ہوئی انگلیوں کا اعتبار ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں جب انگلیوں کی پشت کو عورت کی طرف کر کے اشارہ کیا تو طلاق کی تعداد میں بند انگلی کا اعتبار ہوگا یعنی جس کو بند کر لیا ہے وہی تعدادِ طلاق میں معتبر ہوں گی اور جو کھلی ہیں ان کا اعتبار نہیں ہوگا مثلاً تین انگلیاں بند ہیں اور دو کھلی ہیں تو ان حضرات کے نزدیک تین طلاق واقع ہوں گی؛ کیوں کہ تین انگلیاں بند ہیں اور ان کے نزدیک بند انگلیوں کا اعتبار ہے۔

(ج) مضمومہ یا منشورہ سے طلاق واقع ہونے کی صورت میں اس کے برعکس نیت کی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

مضمومہ یا منشورہ: سے طلاق واقع ہونے کی صورت میں اس کے برعکس نیت کی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ دیانۃً تصدیق کی جائے گی اور قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی مثلاً جب انگلیوں کے رخ کو عورت کی طرف کر کے اشارہ کرے تو کھلی ہوئی انگلیاں معتبر

Website:MadarseWale.blogspot.com

ہوتی ہیں جیسے تین انگلیاں کھلی اور بند تھیں تو ظاہر یہ ہے کہ تین طلاق واقع ہونی چاہیے؛ لیکن اگر اس نے کہا میں نے بند انگلیوں سے اشارہ کا قصد کیا تھا تو از راہِ دیانت تصدیق کی جائے گی اور قاضی تصدیق نہیں کرے گا۔

محل امتحان نمبر ۳۹، ہدایہ ثانی: ۲/ ۳۷۲

(الف) عبارت با اعراب: وَلَوْ قَالَ لَهَا (لِغَيرِ الْمَدْخُولَةِ) إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةٌ وَ وَاحِدَةٌ فَدَخَلَتْ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ وَقَالَا تَقَعُ ثِنْتَانِ وَلَوْقَالَ اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةٌ وَوَاحِدَةً إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَدَخَلَتْ طُلِّقَتْ ثِنْتَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ لَهُمَا أَنَّ حَرْفَ الْوَاوِ لِلْجَمْعِ الْمُطْلَقِ فَتَعَلَّقْنَ جُمْلَةً كَمَا إِذَا نَصَّ عَلَى الثِّنْتَيْنِ أَوْ اَخَّرَ الشَّرْطَ وَلَهُ أَنَّ الْجَمْعَ الْمُطْلَقَ يَحْتَمِلُ الْقِرَانَ وَالتَّرْتِيبَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھتے ہوئے دونوں مسئلوں کی الگ الگ وضاحت کریں پھر اختلافِ ائمہ مع دلائل واضح کریں۔

جواب

ترجمہ: اور اگر اس نے غیر مدخولہ سے کہا اگر تو گھر میں دخل ہوئی تو تجھے ایک طلاق اور ایک، پھر وہ داخل ہوگئی تو اس پر ایک طلاق واقع ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا دونوں واقع ہوں گی۔ اور اگر اس نے غیر مدخولہ سے کہا تجھے ایک طلاق ہے اور ایک، اگر تو گھر میں داخل ہوئی، پھر وہ داخل ہوگئی تو بالاتفاق اس پر دو طلاق واقع ہوں گی۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرف واو مطلق جمع کے لیے ہے لہٰذا تمام طلاق جمع ہو کر شرط پر معلق ہوں گی جیسا کہ جب لفظ ثنتین کی صراحت کی ہو یا شرط کو مؤخر کیا ہو۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمع مطلق قران کا احتمال رکھتی ہے اور ترتیب کا بھی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ب) مطلب لکھتے اور دونوں مسئلوں کی الگ الگ وضاحت، نیز اختلافِ ائمہ مع دلائل:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر متعدد طلاقوں کو شرط پر معلق کیا جائے ایک طلاق کا دوسرے طلاق پر عطف کیا جائے تو اب اس کی دو صورتیں ہیں (۱) شرط مقدم ہوگی (۲) یا مؤخر ہوگی۔

اگر شرط مؤخر ہو مثلاً کہا کہ "أنت طالق واحدة وواحدة ان دخلت الدار" تو بالاتفاق دو طلاق واقع ہوں گی۔ اور اگر شرط مقدم ہو مثلاً کہا "ان دخلت الدار فأنت طالق واحدة وواحدة" تو اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقط ایک طلاق واقع ہوگی اور یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک دو طلاق واقع ہوں گی یہی ایک قول امام شافعیؒ کا بھی ہے، اور یہی قول امام مالکؒ واحمدؒ بن حنبل کا بھی ہے۔ (بنایہ: ص/۳۵۹)

صاحبینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ "واؤ" مطلق جمع کے لیے ہے، لہٰذا دونوں طلاق ایک ساتھ شرط پر معلق ہوں گی اور سب واقع ہو جائیں گی جیسے جب شوہر دو کی صراحت کردے مثلاً کہے "ان دخلت الدار فأنت طالق ثنتين" تو اس صورت میں بالاتفاق دو طلاق واقع ہوں گی۔ اسی طرح اس مسئلہ میں بھی۔ اور جیسے جب شرط مؤخر کردے تو بالاتفاق دو واقع ہوں گی اسی طرح اس مسئلہ میں بھی واقع ہو جائیں گی۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۳۵۹)

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ واؤ مطلق جمع کے لیے ہے؛ لیکن اس کے دو فرد ہیں (۱) قران (۲) ترتیب۔ اور واؤ انہیں دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں پایا جاتا ہے اب اگر اس مسئلہ میں "واؤ" کو ترتیب کے لیے مانیں تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر قران کے لیے مانیں تو دو طلاق واقع ہوں گی۔ تو ایک طلاق تو یقینی ہے؛ لیکن دوسری میں شک پیدا ہو گیا؛ کیوں کہ "واؤ" میں ترتیب واقتران دونوں کا احتمال ہے، لہٰذا شک کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۴۰، ہدایہ ثانی ۳۷۷

(الف) عبارت بااعراب: وَلَوْ قَالَ اِخْتَارِیْ فَقَالَتْ نَفْسِیْ یَقَعُ الطَّلَاقُ إِذَا نَوَی الزَّوْجُ وَلَوْ قَالَ اِخْتَارِیْ فَقَالَتْ اَنَا اَخْتَارُ نَفْسِیْ فَهِیَ طَالِقٌ، وَالْقِیَاسُ أَنْ لَا تُطَلَّقَ لِأَنَّ هٰذَا مُجَرَّدُ وَعْدٍ اَوْ یَحْتَمِلُهُ فَصَارَ کَمَا إِذَا قَالَ لَهَا طَلِّقِیْ نَفْسَکِ فَقَالَتْ اَنَا اُطَلِّقُ نَفْسِیْ، وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ حَدِیْثُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا فَإِنَّهَا لَا بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَاعْتَبَرَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَوَاباً مِنْهَا.

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی اطمینان بخش تشریح کریں اور بتائیں پہلے مسئلہ کی طرح دوسرے مسئلہ میں بھی إذا نوی الزوج کی قید ملحوظ ہے۔

جواب

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا کہ تو اختیار کر تو عورت نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی بشرطیکہ شوہر نے نیت کی ہو۔ اور اگر شوہر نے کہا کہ تو اختیار کر۔ عورت نے کہا کہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں تو یہ طالقہ ہے۔ اور قیاس یہ تھا کہ واقع نہ ہو؛ کیوں کہ یہ محض وعدہ ہے، یا اس (کا احتمال رکھتا ہے، پس ایسا ہو گیا جیسا کہ عورت سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دیدے، تو عورت نے کہا کہ میں اپنے نفس کو طلاق دیتی ہوں۔ استحسان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے؛ اس لیے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا، نہیں؛ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت عائشہؓ کی طرف سے معتبر جواب مانا ہے۔

(ب) عبارت کی اطمینان بخش تشریح:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اختیاری عورت نے اس کے

Website:MadarseWale.blogspot.com

جواب میں کہا اخترت نفسی اور شوہر نے طلاق کی نیت کی ہے۔تو اس صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "اختیاری"، بیوی نے اس کے جواب میں کہا "انا اختار نفسي" یعنی مضارع کے صیغے کو استعمال کیا، جب کہ شوہر نے طلاق کی نیت کی ہے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہو؛ لیکن استحساناً اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

قیاس کی دلیل: یہ ہے کہ عورت نے "اَختار" فعل مضارع استعمال کیا ہے اور فعل مضارع حال اور استقبال دونوں کا احتمال رکھتا ہے، پس اگر عورت نے استقبال مراد لیا ہے تو محض وعدہ ہے، اور محض طلاق کے وعدہ سے طلاق نہیں پڑتی ہے، اور اگر حال مراد لیا ہے تو کم از کم استقبال کا احتمال ہے، پس یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "طلقي نفسک" بیوی نے جواب میں "انا اطلق نفسي" کہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح "انا اختار نفسي" سے بھی طلاق واقع نہ ہونی چاہئے؛ لیکن استحساناً واقع ہو جائے گی۔

استحسان کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے روایت کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت ﴿یَـٰٓأَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِکَ الأیة﴾ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں تم کو ایک بات کی خبر دوں گا اور تم بغیر والدین کے مشورے کے جواب مت دینا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی خبر دی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کیا میں اس بارے میں ماں باپ سے مشورہ کروں؟ نہیں؛ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو پسند کرتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ عائشہؓ کے اس جواب کا اعتبار کیا ہے حالاں کہ حضرت عائشہؓ نے صیغہ مضارع استعمال کیا ہے جو استقبال کا احتمال رکھتا ہے، پس حدیث عائشہؓ سے معلوم ہوا کہ صیغۂ مضارع سے بھی اختیار ثابت ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ استحساناً ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

دوسرے مسئلے میں بھی إذا نوی الزوج کی قید ملحوظ ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۱۴۱، ہدایہ ثانی / ۳۷۸

(الف) عبارت بااعراب: وَلَوْ قَالَ لَهَا أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ لَمْ يَدْخُلْ فِيهِ اللَّيْلُ وَإِنْ رَدَّتِ الْأَمْرَ فِي يَوْمِهَا بَطَلَ أَمْرُ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَكَانَ بِيَدِهَا أَمْرُ بَعْدِ غَدٍ لِأَنَّهُ صَرَّحَ بِذِكْرِ وَقْتَيْنِ بَيْنَهُمَا وَقْتٌ مِنْ جِنْسِهِمَا لَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْأَمْرُ إِذْ ذِكْرُ الْيَوْمِ بِعِبَارَةِ الْفَرْدِ لَا يَتَنَاوَلُ اللَّيْلَ فَكَانَا أَمْرَيْنِ فَبِرَدِّ أَحَدِهِمَا لَا يَرْتَدُّ الْآخَرُ وَقَالَ زُفَرُ: هُمَا أَمْرٌ وَاحِدٌ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ قُلْنَا الطَّلَاقُ لَا يَحْتَمِلُ التَّاقِيتَ وَالْأَمْرُ بِالْيَدِ يَحْتَمِلُهُ فَيُوَقَّتُ الْأَمْرُ الْأَوَّلُ وَيُجْعَلُ الثَّانِي أَمْراً مُبْتَدأً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) اس مسئلہ میں امام زفرؒ کے استدلال اور ائمہ ثلاثہ کی جانب سے ان کے جواب کی وضاحت کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور اگر عورت سے کہا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج اور کل آئندہ کے بعد (یعنی پرسوں کے دن) تو اس (اختیار) میں رات داخل نہیں ہوگی اور اگر اس یوم (دن) میں معاملہ کو رد کر دیا تو اس دن کا معاملہ باطل ہو گیا اور کل آئندہ کے بعد یعنی پرسوں کا معاملہ اس کے ہاتھ میں رہے گا؛ کیوں کہ اس شخص نے ایسے دو وقتوں کو صراحتاً ذکر کیا ہے جن کے درمیان ان دونوں کا ہم جنس وقت ہے اس کو امر بالید شامل نہیں ہے، کیوں کہ یوم کا ذکر عبارت فرد کے ساتھ رات کو شامل نہیں ہوگا، پس دو امر ہو گئے، لہٰذا ان دونوں میں سے ایک کو رد کرنے سے دوسرا رد نہیں ہوگا، اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ یہ دونوں امر واحد ہیں اس کے قول "أنت طالق اليوم وبعد غدٍ" کے مرتبہ میں۔ ہم جواب دیں گے کہ طلاق تعیین وقت کا احتمال نہیں رکھتی ہے اور امر بالید اس کا احتمال رکھتا ہے، پس امر بالید کو اول وقت کے ساتھ متعین کیا جائے گا اور ثانی کو مستقل امر بنا دیا جائے گا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ب) مطلب:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا" امرک بیدک وبعد غد" یعنی تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج کے دن اور پرسوں کے دن تو وہ رات جو اس دن یعنی آج کے دن کے بعد آئے گی اس اختیار میں داخل نہ ہوگی؛ چناں چہ اگر عورت نے اپنے آپ کو رات میں اختیار کر لیا یعنی رات میں طلاق دے لی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر عورت نے آج کے دن کا اختیار رد کر دیا تو صرف اسی آج کے دن کا امر بالید رد ہوگا اور کل آئندہ کے بعد یعنی پرسوں کے دن کا اختیار اس کے قبضہ میں رہے گا۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ اس عبارت میں دو دعوے ہیں۔ پہلا دعویٰ یہ ہے کہ ان الفاظ یعنی" امرک بیدک الیوم وبعد غد" کے ساتھ عورت کو اختیار دینے میں وہ رات جو یوم کے بعد ہے وہ اس اختیار میں شامل نہیں ہوگی۔ دوسری دعویٰ یہ ہے کہ عورت کے یوم میں امر بالید کو رد کر دینے سے (بعد غد) یعنی پرسوں کے دن کا امر بالید رد نہیں ہوگا۔ پہلے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے چوں کہ یوم کو لفظ مفرد کے ساتھ ذکر کیا ہے؛ اس لیے یہ اختیار رات کو شامل نہیں ہوگا۔ دوسرے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے صراحت کے ساتھ دو وقتوں کو ذکر کیا ہے یعنی یوم اور بعد غد (آج کے دن اور پرسوں کے دن) کو اور ان دونوں وقتوں کے درمیان کا دن ہے جو اسی کی جنس سے ہے اور اس کو امر بالید شامل نہیں ہے؛ البتہ رات دوسری جنس ہے، پس یہ مستقلاً دو امر ہو گئے۔ ایک آج کے دن کا امر بالید دوسرے پرسوں کے دن کا امر بالید اور دو امروں میں سے ایک کو رد کرنے سے دوسرا امر رد نہیں ہوتا ہے، لہٰذا یہاں بھی" الیوم" کے امر کو رد کرنے سے" بعد غد" کا امر رد نہیں ہوگا، پس پرسوں کے دن کا امر اس کے اختیار میں رہا۔ یہ مسئلہ ہمارے نزدیک ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک دونوں امر ایک ہیں۔

(ج) اس مسئلہ میں امام زفرؒ کا استدلال:

امام زفرؒ فرماتے ہیں: کہ دونوں امر، امر واحد ہیں۔ انہوں نے" امرک بیدک

Website:MadarseWale.blogspot.com

الیوم وبعد غد" کو "أنت طالق الیوم وبعد غد" پر قیاس کیا ہے یعنی جس طرح صریح طلاق کہ شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ تو طالقہ ہے آج اور پرسوں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی دو واقع نہیں ہوں گی اسی طرح اگر بیوی نے آج کے دن کے امر بالید کو رد کر دیا تو پرسوں کے دن کا امر بالید باقی نہیں رہے گا؛ بلکہ رد ہو جائے گا۔

اور ائمہ ثلاثہ کی جانب سے ان کے جواب کی وضاحت:

ائمہ ثلاثہ کی طرف سے امام زفرؒ کی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ امر بالید کو طلاق پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ طلاق تعیینِ وقت کا احتمال نہیں رکھتی ہے؛ چناں چہ جو عورت یوم میں مطلقہ ہوگی وہ غد اور بعد غد میں بھی مطلقہ ہوگی اور امر بالید تعیین کا احتمال رکھتا ہے؛ چناں چہ "أمرک بیدک الیوم وبعد غد" میں امر متعین ہے وقت اول یعنی یوم کے ساتھ، اور وقت ثانی بعد غد کو مستقلاً دوسرا امر قرار دے دیا جائے گا۔ تقدیری عبارت ہوگی "أمرک بیدک الیوم وأمرک بیدک وبعد غد"

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۴۲، ہدایہ ثانی ۳۸۱/

(الف) عبارت بااعراب: وَإِذَا قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْ إِمْرَأَتِیْ فَلَهُ أَنْ يُّطَلِّقَهَا فِیْ الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ وَلَهُ أَنْ يَّرْجِعَ لِأَنَّهُ تَوْكِيْلٌ وَاَنَّهُ اِسْتِعَانَةٌ فَلَا يَلْزَمُ وَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ بِخِلَافِ قَوْلِهٖ لِاِمْرَأَتِهٖ طَلِّقِیْ نَفْسَكِ لِأَنَّهَا عَامِلَةٌ لِنَفْسِهَا فَكَانَ تَمْلِيْكًا لَا تَوْكِيْلاً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) پورے مسئلہ کی مکمل وضاحت کرتے ہوئے تملیک اور توکیل میں فرق واضح کریں (ج) ولہ ان یرجع میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟ (د) اگر شوہر طلق امرء تي إن شئت کہہ دے تو مسئلہ کی صورت یہی رہے گی یا بدل جائے گی؟

Website:MadarseWale.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور جب شوہر نے کسی آدمی سے کہا کہ تو میری بیوی کو طلاق دیدے تو اس کے لیے اختیار ہے کہ وہ اس (بیوی) کو اسی مجلس اور مجلس کے بعد طلاق دے اور اس (شوہر) کے لیے جائز ہے کہ وہ رجوع کرے؛ کیوں کہ یہ توکیل اور استعانت ہے، لہٰذا نہ لازم ہوگا اور نہ مجلس پر منحصر رہے گا۔ برخلاف اس کے کہ (اس نے) اپنی بیوی سے کہا تو اپنے نفس کو طلاق دے؛ کیوں کہ وہ اپنے واسطے عمل کرنے والی ہے، پس یہ تملیک ہوگی نہ کہ توکیل۔

(ب) پورے مسئلہ کی مکمل وضاحت، نیز تملیک اور توکیل میں فرق:

مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے کسی آدمی کو وکیل بنایا اور اس وکیل سے کہا ''طلّق امرأتي'' تو اس وکیل کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو چاہے مجلس میں طلاق دے یا مجلس کے بعد طلاق دے اور شوہر کے لیے اپنے قول سے رجوع کرنا بھی جائز ہے۔

اس مسئلہ کی دلیل: یہ ہے کہ ''طلق امرأتي'' کے ذریعہ شوہر نے دوسرے آدمی کو وکیل بنایا ہے اور طلاق واقع کرنے میں اس سے مدد طلب کی ہے اور توکیل لازم نہیں ہوتی ہے چاہے شوہر اس کو وکالت پر باقی رکھے یا وکالت سے معزول کردے دونوں اختیار ہیں، اور اگر شوہر نے طلاق واقع کرنے کے سلسلے میں اس کو وکالت پر باقی رکھا تو یہ وکیل اسی مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے؛ بلکہ وکیل بالطلاق مجلس کے اندر بھی طلاق دے سکتا ہے اور مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے؛ کیوں کہ مؤکل کا اختیار ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر شوہر نے اپنی بیوی سے ''طلّقي نفسک'' کہا تو عورت کا یہ اختیار مجلس تک خاص رہے گا اور شوہر کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا اختیار بھی حاصل نہیں ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ شوہر کے قول ''طلّقي نفسک'' یہ تملیک ہے توکیل نہیں ہے؛ کیوں کہ عورت اپنے واسطے کام کرے گی۔ یعنی شوہر نے عورت کو مالک کردیا کہ وہ اپنے

Website:MadarseWale.blogspot.com

واسطے طلاق کا کام کرے، اور تملیک کی صورت میں شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔ اور تملیک مجلس ہی پر منحصر رہتی ہے، لہٰذا عورت کا یہ اختیار مجلس ہی کے ساتھ خاص ہوگا، اور شوہر کو اپنے قول سے رجوع کا اختیار بھی نہیں ہوگا۔ اور توکیل میں آدمی اپنے غیر کے لیے کام کرتا ہے تو جس طرح مؤکل کو اختیار رہتا ہے مجلس اور بعد مجلس کی کوئی قید نہیں رہتی اسی طرح اس کے نائب کو بھی اختیار رہے گا، پس اس بیان سے تملیک اور توکیل کے درمیان فرق واضح ہو گیا۔

(ج) ولہٗ ان یرجع میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟

ولہ أن یرجع میں ضمیر کا مرجع ”للقائل“ ہے۔ (فتح القدیر: ج ۴، ص ۸۷)

(د) اگر شوہر طلق امرءتي إن شئت کہہ دے تو مسئلہ کی صورت یہی رہے گی یا بدل جائے گی؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اگر شوہر طلق امرأتی ان شئت کہہ دے تو مسئلے کی صورت بدل جائے گی یہی نہیں رہے گی؛ کیوں کہ اس صورت میں وکیل کا اختیار مجلس ہی پر منحصر رہے گا اور شوہر کو اپنے قول سے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا۔

محل امتحان نمبر ۴۳، ہدایہ ثانی / ۳۸۱

(الف) عبارت با اعراب: وَإِذَ قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْ اِمرأَتِیْ فَلَهُ أَنْ يُّطَلِّقَهَا فِی الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ وَلَوْ قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْهَا إِنْ شِئْتَ فَلَهُ أَنْ يُّطَلِّقَهَا فِی الْمَجْلِسِ خَاصَّةً. وَقَالَ زُفَرُ هٰذَا وَالْأَوَّلُ سَوَاءٌ لِأَنَّ التَّصْرِيْحَ بِالْمَشِيَّةِ لِعَدَمِهِ، لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ عَنْ مَشِيَّتِهِ فَصَارَ كَالْوَكِيْلِ بِالْبَيْعِ إِذَا قِيْلَ لَهُ بِعْهُ إِنْ شِئْتَ وَلَنَا أَنَّهُ تَمْلِيْكٌ لِأَنَّهُ عَلَّقَهُ بِالْمَشِيَّةِ وَالْمَالِكُ هُوَالَّذِیْ يَتَصَرَّفُ عَنْ مَشِيَّتِهِ وَالطَّلَاقُ يَحْتَمِلُ التَّعْلِيْقَ بِخِلَافِ الْبَيْعِ.

Website:MadarseWale.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھیں (ب) جانبین کے دلائل کی تشریح کرتے ہوئے امام زفرؒ کی دلیل کا جواب مفصل لکھیں۔

جواب

ترجمہ: اور جب مرد نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ تو میری بیوی کی طلاق دیدے تو اس (مرد) کو اختیار ہے کہ وہ اس کو (اس کی بیوی کو) مجلس اور مجلس کے بعد طلاق دے اور اگر مرد نے کسی دوسرے مرد سے کہا کہ اواس کو (میری بیوی کو) طلاق دیدے اگر تو چاہے، تو اس (وکیل) کو اختیار ہے کہ خاص کہ اسی مجلس میں عورت کو طلاق دیدے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ یہ صورت اور پہلی صورت برابر ہے؛ کیوں کہ چاہنے کی صراحت کرنا اور نہ کرنا برابر ہے؛ اس لیے کہ وہ (وکیل) اپنی مشیت ہی سے تصرف کرتا ہے، پس (وکیلِ طلاق) ایسا ہو گیا جیسے وکیل بالبیع کہ جب اس سے کہا گیا کہ تو فروخت کر اگر تو چاہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تملیک ہے؛ کیوں کہ اس کو مشیت پر معلق کیا ہے اور امام مالکؒ تو وہی ہے جو اپنی رائے سے تصرف کرتا ہے اور طلاق، تعلیق (شرط) کا احتمال رکھتی ہے، برخلاف بیع کے (کیوں کہ وہ تعلیق کو برداشت نہیں کرتی)۔

تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے کسی دوسرے مرد سے کہا "طلق امرأتی" یعنی اپنے غیر کو طلاق دینے کا وکیل بنایا تو اس وکیل کے لیے اختیار ہے کہ وہ اس عورت کو اسی مجلس میں طلاق دے یا مجلس کے بعد طلاق دے یعنی یہ مجلس ہی پر منحصر نہیں رہے گا؛ بلکہ مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر شوہر نے کسی دوسرے مرد سے کہا "طلقها إن شئت" یعنی اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دیدے تو اس صورت میں اس مرد کو صرف اسی مجلس کے اندر طلاق دینے کا اختیار ہو گا اور مجلس کے بعد طلاق دینے کا اختیار نہیں ہو گا اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ "طلق امرأتی" اور "طلقها إن شئت" دونوں حکم میں برابر ہیں۔ ان کی

Website:MadarseWale.blogspot.com

دلیل یہ ہے کہ مشیت کو صراحتاً ذکر کرنا واور صراحتاً ذکر نہ کرنا دونوں برابر ہے؛ کیوں کہ وہ آدمی جس کو طلاق دینا چاہتا ہے تبھی کام ہوتا ہے؛ اس لیے کہ طلاق دینا اس اجنبی آدمی کا جس کو طلاق دینے کا وکیل بنایا ہے اختیاری فعل ہے اور فعلِ اختیاری بغیر مشیت کے متحقق نہیں ہوتا، پس جب دونوں برابر ہیں تو قول ثانی یعنی "طلقها إن شئت" بھی قول اول یعنی طلق امرأتی کی طرح توکیل ہوگا جیسا کہ وکیل بالبیع سے کہا "بعه إن شئت" یعنی اگر کسی آدمی کو بیچنے کے بارے میں وکیل بنایا تو یہ توکیل مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی؛ بلکہ مجلس کے بعد بھی اس کو بیچنے کا اختیار رہتا ہے اور مؤکل کے لیے رجوع کا اختیار رہتا ہے اسی طرح یہاں بھی طلاق دینے کا اختیار مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا؛ بلکہ مجلس کے بعد بھی باقی رہے گا اور شوہر کے لیے اپنے قول سے رجوع کا اختیار بھی باقی رہے گا۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ قول ثانی یعنی "طلقها إن شئت" یہ توکیل نہیں ہے؛ بلکہ تملیک ہے اور اس تملیک کے اندر تعلیق کے معنی پائے جاتے ہیں؛ کیوں کہ اس نے طلاق کو غیر کی مشیت پر معلق کیا ہے، پس اس قول ثانی یعنی طلقها إن شئت کے اندر دو چیزیں ہیں ایک تملیک دوسرے تعلیق، پس تملیک کا اعتبار کرتے ہوئے یہ اختیار مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اور تعلیق یعنی شرط کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے یہ تصرف لازم ہوگا اور شوہر کو اپنے قول سے رجوع کا اختیار حاصل نہیں ہوگا اور اس کا یہ اختیار مجلس ہی میں منحصر رہے گا اور مجلس کے بعد اس کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) جانبین کے دلائل کی تشریح اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب:

جانبین کے دلائل کی تشریح مطلب کے ضمن میں گذر گئی وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ آپ نے طلاق کو جو بیع پر قیاس کیا ہے قیاس مع الفارق ہے؛ اس لیے کہ طلاق تعلیق یعنی شرط کا احتمال رکھتی ہے اور بیع تعلیق یعنی شرط کا احتمال نہیں رکھتی ہے؛ کیوں کہ بیع کے اندر شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۴۴، ہدایہ ثانی ۳۸۳/

(الف) عبارت با اعراب: وَلَوْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ كُلَّهَا شِئْتِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ حَتّٰى تُطَلِّقَ نَفْسَهَا ثَلَاثًا لِأَنَّ كَلِمَةَ كُلَّمَا تُوْجِبُ تَكْرَارَ الْأَفْعَالِ إِلَّا أَنَّ التَّعْلِيْقَ يَنْصَرِفُ إِلَى الْمِلْكِ الْقَائِمِ حَتّٰى لَوْ عَادَتْ إِلَيْهِ بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا لَمْ يَقَعْ شَيْئٌ لِأَنَّهُ مِلْكٌ مُسْتَحْدَثٌ وَلَيْسَ لَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا ثَلَاثًا فِيْ كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ لِأَنَّهَا تُوْجِبُ عُمُوْمَ الْأَفْرَادِ لَا عُمُوْمَ الْإِجْتِمَاعِ فَلَا تَمْلِكُ الْإِيْقَاعَ جُمْلَةً وَجَمْعًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) بتائیں کہ عبارت میں "ملک قائم" اور ملک مستحدث سے کیا مراد ہے؟ (ج) پھر عبارت کا مطلب لکھتے ہوئے "لو عادت الیه الخ" کو مثال سے سمجھائیے۔

جواب

ترجمہ: اور اگر (مرد نے) عورت سے کہا تو طالقہ ہے جب، جب تو چاہے، تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک کے بعد ایک (طلاق) دیتی جائے حتیٰ کہ اپنے کو تین طلاقیں دے لے؛ کیوں کہ کلمۂ کلما افعال کے تکرار کا موجب ہے؛ مگر یہ کہ تعلیق ملکِ موجود کی طرف لوٹے گی یہاں تک کہ اگر (عورت) دوسرے شوہر کے بعد اسی شوہر سے (یعنی پہلے شوہر) کے پاس لوٹ آئی اور اس نے اپنے آپ کو پھر طلاق دی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہ ملک جدید ہے اور عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو کلمۂ واحدہ میں تین طلاقیں دیدے؛ کیوں کہ لفظ کلما عمومِ افراد کا موجب ہے نہ کہ عمومِ اجتماع کا، پس وہ یکبارگی اور جمع کر کے واقع کرنے کی مالک نہیں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ب) ''ملک قائم'' اور ملک مستحدث سے کیا مراد ہے؟

ملکِ قائم سے وہ ملک مراد ہے جو شوہر اول کے پہلے نکاح کے وقت موجود ہے اور ملک مستحدث سے مراد وہ ملک ہے جو شوہر ثانی کے طلاق دینے کے بعد شوہرِ اول دوبارہ نکاح کر کے مالک ہوا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) عبارت کا مطلب:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا ''أنت طالق کُلما شئتِ'' تو عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو یکے بعد دیگرے طلاق دیتی رہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لے دلیل یہ ہے کہ شوہر نے اپنے کلام میں لفظ ''کلما'' کو استعمال کیا ہے اور لفظ ''کلما'' افعال کے تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور ''کلما'' کے تکرار کا تقاضا کرنے پر دلیل قرآن پاک کی آیت ﴿نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ الآیۃ﴾ ہے، پس جب ایسا ہے تو عورت کو یکے بعد دیگرے طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔

إلاأن التعلیق سے ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔ ہدایہ ثانی: کی تقریر یہ ہے کہ جب کلمۂ کلما افعال کے تکرار کا تقاضا کرتا ہے تو اس عورت نے اگر تین طلاقیں واقع کر لیں پھر اس کے بعد اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا تو دوسرے شوہر کے طلاق دینے کے بعد پہلے شوہر کے پاس لوٹ کر آئی اور اس سے نکاح کر لیا تو اس عورت کو پھر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہونا چاہئے؛ کیوں کہ کلمۂ کلما کا موجب تکرارِ افعال ہے؛ حالاں کہ زوج اول سے دوبارہ نکاح کرنے کے بعد اس عورت کو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے؟

اس ہدایہ ثانی: کا جواب یہ ہے کہ تعلیق ملک موجود کی طرف لوٹے گی یعنی شوہر اول نے اپنی بیوی کو وہی طلاقیں واقع کرنے کا اختیار دیا ہے جو اس کی ملک میں اس وقت موجود ہیں اور زوجِ ثانی کے طلاق دینے کے بعد جب وہ لوٹ کر زوجِ اول کے پاس دوسرے نکاح کے ذریعے آئی اور پھر اپنے آپ کو طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہ ملک تو جدید

Website:MadarseWale.blogspot.com

نکاح سے پیدا ہوئی اور عورت کو یہ اختیار نہیں کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کرلے۔ دلیل یہ ہے کہ کلمۂ کلما عموم افراد کا موجب ہے نہ کہ عموم اجتماع کا بایں طور کہ عورت اپنے آپ کو ایک ہی کلمہ کے ذریعہ تین طلاقیں دے لے۔ اس طور پر کہ کہے "طلقت نفسي ثلاثاً"، لہٰذا عورت کو یکبارگی اور جمع کرکے واقع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جملۃً اور جمعاً دونوں کے ایک معنیٰ ہیں اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جملۃ یہ ہے کہ عورت کہے "طلقت نفسي ثلاثاً" اور جمع یہ ہے کہ عورت کہے "طلقت نفسي واحدة وواحدة وواحدة" اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

"لو عادت اليه الخ" کی مثال سے وضاحت:

لو عادت اليه الخ: کی مثال یہ ہے کہ حامد نے فاطمہ سے نکاح کیا اور فاطمہ کو لفظ کلما کے ذریعہ اختیار دے دیا اور فاطمہ نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دینے کے بعد عدت گذار کر راشد سے نکاح کیا پھر راشد کے طلاق دینے کے بعد عدت گذار کر پھر حامد جو کہ فاطمہ کا زوج اول ہے کے پاس آئی اور نئے سرے سے نکاح کیا تو اب فاطمہ کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا دلیل عبارت کی تشریح کے ضمن میں گذر گئی وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

محل امتحان نمبر ۴۵، ہدایہ ثانی /۳۸۵

(الف) عبارت بااعراب: وَإِذَا اَضَافَهُ إِلٰى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ الشَّرْطِ مِثْلَ أَنْ يَّقُوْلَ لِإِمْرَأَتِهِ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَهٰذا بِالْإِتِّفَاقِ لِأَنَّ الْمِلْكَ قَائِمٌ فِي الْحَالِ وَالظَّاهِرُ بَقَاءُهُ إِلٰى وَقْتِ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَيَصِحُّ يَمِيْنًا أَوْ إِيْقَاعًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ اور جامع تشریح کریں (ب) فيصح يمينًا سے امام ابوحنیفہؒ اور ايقاعاً سے امام شافعیؒ کے کس ضابطے کا بیان مقصود ہے وضاحت کے ساتھ لکھیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور جب طلاق کوکسی شرط کی جانب منسوب کیا تو طلاق شرط کے بعد واقع ہوگی جیسے اپنی منکوحہ بیوی سے کہے اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو، تو طالقہ ہے اور یہ (حکم) متفق ہے؛ کیوں کہ ملکِ نکاح فی الحال موجود ہے اور ظاہر اس کی بقاہے وجود شرط کے وقت تک، پس یمیناً یا ایقاعاً (اس کا معلق کرنا) صحیح ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر منکوحہ بیوی ہے اور اس کے شوہر نے اس منکوحہ بیوی کے طلاق کو کسی شرط پر معلق کر دیا ہے تو شرط پائے جانے کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی مثلاً اپنی بیوی سے کہا ''إن دخلت الدار فأنت طالق'' تو شوہر نے اپنی بیوی کی طلاق کو دخولِ دار پر معلق کیا ہے تو جب دخولِ دار جو کہ شرط ہے پایا جائے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ حکم بالاتفاق ہے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جو چیز شرط پر معلق ہوتی ہے وہ شرط کے پائے جانے کے وقت منجّز ہوتی ہے۔

لأن الملک قائم الخ سے ایک ہدایہ ثانی: کا جواب دینا ہے ہدایہ ثانی: یہ ہے کہ یہ بات تو تسلیم ہے کہ جب ملک موجود ہو تو شرط کے پائے جانے کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی؛ لیکن شرط کے پائے جانے سے پہلے اس ملک کے زائل ہونے کا احتمال ہے اس طور پر یہ شخص شرط کے پائے جانے سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق منجز دیدے، پس مناسب ہے کہ ملک کے زائل ہونے کے احتمال کی وجہ سے اس کی یمین بالکل صحیح ہو؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت شوہر نے طلاق کو شرط پر معلق کیا اس وقت تو ملک موجود ہی ہے اور آئندہ شرط کے پائے جانے کے وقت تک اس ملک کے باقی رہنے کا غالب گمان ہے؛ کیوں کہ جو چیز ثابت ہو جاتی ہے اس میں اصل یہی ہے کہ وہ چیز ہمیشہ باقی رہے اور نکاح آدمی ہمیشہ ہمیش کے لیے کرتا ہے کسی ایک وقت تک کے لیے نہیں کرتا ہے، لہٰذا ملک کے زائل ہونے کے متوہم احتمال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی، پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ فی الحال بھی ملک موجود ہے اور آئندہ کے بارے میں غالب

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

Website:MadarseWale.blogspot.com

گمان یہی ہے کہ ملک باقی رہے گی تو اس کلام کا معلق ہمارے نزدیک یمین بن کر اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایقاع بن کر صحیح ہوگا۔

(ب) فیصح یمینا سے امام ابوحنیفہؒ اور ایقاعاً سے امام شافعیؒ کے کس ضابطے کا بیان مقصود ہے؟

فیصح یمیناً سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس ضابطے کی طرف اشارہ ہے کہ تعلیق کی صورت میں مثلاً ''إن دخلت الدار فأنت طالق'' میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکلم کے وقت شوہر کا یہ کلام صرف یمین ہے اور شرط کے پائے جانے کے وقت ایقاع طلاق متحقق ہوگا گویا کہ جس وقت عورت گھر میں داخل ہوئی اس وقت شوہر نے أنت طالق کہا۔

اور ایقاعاً سے امام شافعیؒ کے اس ضابطے کی طرف اشارہ ہے کہ تعلیق کی صورت میں مثلاً ''ان دخلت الدار فأنت طالق'' میں امام شافعیؒ کے نزدیک تکلم کے وقت ہی طلاق واقع کرنا متحقق ہوگا، لہٰذا دخولِ دار پر ایقاع معلق نہیں ہے؛ بلکہ وقوع طلاق معلق ہے۔

نوٹ: احناف اور شوافع کے درمیان تعلیق کے سلسلے میں جو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک تکلم بالتعلیق اور وجود شرط دونوں اوقات میں ملک کا پایا جانا شرط ہے۔ اور احناف کے نزدیک وجودِ شرط کے وقت ملک کا ہونا ضروری ہے تعلیق کے وقت ضروری نہیں ہے۔

محل امتحان نمبر ۴۶، ہدایہ ثانی /۳۸۵

(الف) عبارت بااعراب: وَلَا تَصِحُّ إِضَافَةُ الطَّلَاقِ إِلَّا أَنْ يَّكُونَ الْحَالِفُ مَالِكاً أَوْ يُضِيفُهُ إِلٰى مِلْكٍ لِأَنَّ الْجَزَاءَ لَا بُدَّ أَنْ يَّكُوْنَ ظَاهِرًا لِيَكُونَ مُخِيفًا فَيَتَحَقَّقُ مَعْنَى الْيَمِينِ وَهُوَ الْقُوَّةُ. والظُّهُوْرُ بِأَحَدِ هٰذَيْنِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ اور مطلب کے ساتھ ظاہراً کی وضاحت

Website:MadarseWale.blogspot.com

مطلوب ہے (ب) ھٰـذین کا مشار الیہ متعین کریں، نیز تعلیق طلاق کے سلسلہ میں ملک اور اضافت الی الملک کو مثال سے واضح کریں۔

جواب

ترجمہ: اور طلاق کو شرط کی طرف مضاف کرنا صحیح نہیں ہے؛ مگر یہ کہ قسم کھانے والا (بالفعل طلاق کا) مالک ہو یا طلاق کو ملک کی طرف منسوب کرے؛ کیوں کہ جزاء کے واسطے غالب الوجود ہونا ضروری ہے؛ تا کہ وہ ڈرانے والا ہو جائے، پس قسم کے معنی متحقق ہو جائیں گے اور وہ قوت ہے اور ظہور قوت ان دونوں میں سے ایک کے ذریعے ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں صاحبِ کتاب نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے، ضابطہ یہ ہے کہ طلاق کو شرط کی طرف منسوب کرنا اس وقت صحیح ہوگا جب کہ قسم کھانے والا جس چیز پر قسم کھا رہا ہے اس چیز کا بالفعل مالک ہو مثلاً اپنی منکوحہ بیوی سے کہے ان دخلت الدار فأنتِ طالق،، یعنی اگر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے، یا طلاق کو اپنی ملک کی طرف منسوب کرے جیسے کسی اجنبیہ سے کہے: ''ان نکحتکِ فأنت طالق،، یعنی اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے یا کہے إذا ملکتُک فأنت طالق،، یعنی جب تو میرے ملک میں آوے تو تجھے طلاق ہے تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔

دلیل: یہ ہے کہ جزاء کا غالب الوجود ہونا ضروری ہے تا کہ جزاء کے واقع ہونے کے ذریعے مخاطب کو خوف دلا سکے، اور یمین کے معنیٰ قوت کے ہیں اور قوت کا ظہور ان دو امروں میں سے ایک کے ساتھ ہوگا یعنی حالف بالفعل مالک ہو یا ملک کی طرف نسبت کی گئی ہو یعنی ملک فی الحال ہو یا سبب ملک کی طرف مضاف ہو تو اس وقت طلاق کا ظہور ہو سکتا ہے تو خوف ہو جائے گا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ظاھراً کی وضاحت:

عبارت کے اندر ظاہراً سے مراد غالب الوجود اور ظاہر الوجود ہے یعنی شرط کے وقت جزاء کا

Website:MadarseWale.blogspot.com

پایا جانا یا تو ظاہر ہوگا یہ اس وقت ہوگا جب کہ بیوی اس کے نکاح میں ہو، یا جزاء کے پائے جانے کا غالب گمان ہوگا یہ اس وقت ہوگا جب کہ عورت اس کے نکاح میں نہ ہو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ظاہراً سے مراد غالب الوجود یا ظاہر الوجود ہے جیسا کہ صاحب بنایہؒ نے جلد ۵/ص: ۴۱۴ میں کہا ہے اور صاحبِ فتح القدیر نے ظاہراً سے غالب الودجود مراد لیا ہے جیسا کہ جلد ۴/ص/۱۰۵ میں کہا ہے۔

(ب) ھٰذین کا مشارٌ الیہ:

ھٰذین کا مشار الیہ ملک اور اضافت الی الملک ہے۔ (بنایہ: ص/۴۱۵)

تعلیقِ طلاق کے سلسلہ میں ملک اور اضافت الی الملک:

تعلیق طلاق کے سلسلے میں ملک اور اضافت الی الملک کی مثال سے وضاحت: ملک کی مثال جیسے کوئی آدمی اپنی منکوحہ بیوی سے کہے ''ان دخلت الدار فأنت طالق'' اس میں طلاق کو اپنی ملک پر معلق کیا ہے۔

اضافت الی الملک کی مثال جیسے اگر کوئی آدمی اجنبیہ عورت سے کہے ''ان نکحتک فأنت طالق'' اس مثال میں اس نے ملکیت پر معلق نہیں کیا ہے؛ بلکہ ملکیت کے پائے جانے پر معلق کیا ہے یعنی اگر وہ نکاح کے ذریعہ مالک ہوگا تو طلاق واقع ہوگی۔

محل امتحان نمبر ۴۷، ہدایہ ثانی/۳۹۰

(الف) عبارت با اعراب: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ إِمْرَأَتَهُ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْهُ وَإِنْ مَاتَ بَعْدَ اِنْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَرِثُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَدْ بَطَلَتْ بِهٰذَا الْعَارِضِ وَهِيَ السَّبَبُ وَلَنَا أَنَّ الزَّوْجِيَّةَ سَبَبُ اِرْثِهَا فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ وَالزَّوْجُ قَصَدَ اِبْطَالَهُ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ قَصْدُهُ بِتَاخِيْرِ عَمَلِهِ إِلٰى زَمَانِ اِنْقِضَاءِ الْعِدَّةِ دَفْعاً لِلضَّرَرِ عَنْهَا وَقَدْ اَمْكَنَ.

Website:MadarseWale.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ھٰذا العارض کی مراد متعین کریں
(ج) عبارت کی اطمینان بخش تشریح کرتے ہوئے اختلاف ائمہ مع دلائل واضح کریں۔

جواب

ترجمہ: اور جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دی اپنے مرضِ وفات میں پھر مر گیا حال یہ کہ وہ عورت عدت میں ہے تو (عورت) اس کی وارث ہوگی اور اگر وہ (عورت کی) عدت گذرنے کے بعد مرا تو عورت کے واسطے میراث نہیں ہوگی۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وارث نہیں ہوگی؛ کیوں کہ زوجہ ہونا اس عارضی (یعنی طلاقِ بائن کے پیش آنے) کی وجہ سے باطل ہو گیا حالانکہ زوجہ ہونا ہی (میراث کا) سبب تھا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ زوجہ ہونا شوہر کے مرضِ وفات میں عورت کے وارث ہونے کا سبب ہے اور شوہر نے اس کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے تو شوہر کا (یہ) قصد اسی پر رد کر دیا جائے گا زمانہ عدت تک گذرنے کے لیے اس کے عمل کو مؤخر کر کے؛ تا کہ عورت سے ضرر دور ہو۔ اور (ایسی تاخیر) ممکن بھی ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) ھٰذا العارض کی مراد:

ھذا العارض سے مراد طلاقِ بائن ہے۔ (ہدایہ ثانی بین السطور: ص/۳۹۰)

(ج) عبارت کی اطمینان بخش تشریح اور اختلافِ ائمہ مع دلائل:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنے مرض وفات میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی بیوی کی رضامندی کے بغیر پھر اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور بیوی ابھی عدت میں ہی ہے تو احناف کے نزدیک بیوی وارث ہوگی۔ اور اگر عدت کے گذر جانے کے بعد شوہر کا انتقال ہوا ہے تو احناف کے نزدیک بیوی وارث نہیں ہوگی۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں وارث نہیں ہوگی۔ خواہ شوہر کا انتقال عدت میں ہوا ہو یا عدت کے ختم ہونے کے بعد انتقال ہوا ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ زوجین کے درمیان وراثت کا سبب زوجیت کا رشتہ ہے اور طلاق بائن واقع کرنے کی وجہ سے زوجیت باطل ہوگئی؛ حالاں کہ زوجہ ہونا ہی میراث کا سبب تھا، لہٰذا وراثت کا حکم بغیر سبب کے ثابت نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر اس حال میں عورت کا انتقال ہو جائے تو شوہر وارث نہیں ہوتا۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ شوہر مرضِ وفات میں عورت کا بیوی ہونا عورت کے وارث ہونے کا سبب ہے؛ کیوں کہ شوہر کے مرضِ وفات میں بیوی کا حق شوہر کے مال کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے، پس اس حالت میں یعنی شوہر نے اپنی مرض الموت کی حالت میں طلاقِ بائن دے کر اس کے حقِ وراثت کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے، لہٰذا اس کے غلط ارادے کو اسی پر لوٹا دیا جائے گا بایں طور کہ طلاق کے عمل کو عدت گذرنے کے زمانے تک کے لیے مؤخر کر دیا گیا؛ تاکہ عورت سے حرمانِ وارثت کا ضرر دور ہو۔

وقد امکن سے ایک سوال کا جواب ہے: سوال یہ ہے کہ اگر طلاق کے عمل کو مؤخر کرنے کا سبب عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے تو اس حکم میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا قبل انقضاء العدت اور بعد انقضاء العدت سب برابر ہونی چاہئیں یعنی جس طرح اگر مدخول بہا کو طلاقِ بائن مرض الموت میں دے دی تو عدت گزرنے سے پہلے وراثت ملنی چاہیے۔ اسی طرح غیر مدخول بہا کو بھی وراثت ملنی چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے کہ اگر مدخول بہا کو اپنے مرض الموت میں طلاق دے دی اور عدت گذرنے کے بعد مرا تو عورت وارث نہیں ہوگی اور ایسے ہی اگر غیر مدخول بہا کو مرضِ وفات میں طلاق دی اور پھر مر گیا تو یہ غیر مدخول بہا بھی وارث نہیں ہوگی تو اس سے معلوم ہوا کہ طلاق کے عمل کو مؤخر کرنے کا سبب عورت سے ضرر کو دور کرنا نہیں ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بلا شبہ طلاق کے عمل کو مؤخر کرنے کا سبب عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے؛ لیکن طلاق کے عمل کو اسی حد تک مؤخر کیا جا سکتا ہے جس حد تک مؤخر کرنا ممکن ہو۔ اور چوں کہ عدت کے ختم ہونے تک طلاق کے عمل کو مؤخر کرنا ممکن ہے؛ کیوں کہ عدت

Website:MadarseWale.blogspot.com

میں من وجہ نکاح باقی رہتا ہے اس وجہ سے عدت کے ختم ہونے تک طلاق کے عمل کو مؤخر کر دیا گیا۔ اور چوں کہ عدت گذر جانے کے بعد نکاح بالکل باقی نہیں رہتا ہے نہ من وجہٍ اور نہ من کل وجہٍ، پس معلوم ہوا کہ عدت کے بعد تک طلاق کے عمل کو مؤخر کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس وجہ سے مابعد الموت طلاق کے عمل کو مؤخر نہیں کیا گیا۔ اور چوں کہ غیر مدخول بہا پر عدت واجب نہیں ہے، لہٰذا اس کے حق میں بھی طلاق کے عمل کو مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔

محل امتحان نمبر ۴۸، ہدایہ ثانی/۳۹۵

(الف) عبارت با اعراب: وَيُسْتَحَبُّ أَنَّ يُشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيْ أَحُدِ قَوْلَيْهِ لَا تَصِحُّ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ: لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَأَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ وَالْأَمْرُ لِلْإِيْجَابِ وَلَنَا إِطْلَاقُ النُّصُوصِ عَنْ قَيْدِ الْإِشْهَادِ، لِأَنَّهُ اِسْتِدَامَةٌ لِلنِّكَاحِ وَالشَّهَادَةُ لَيْسَتْ شَرْطًا فِيْهِ فِيْ حَالَةِ الْبَقَاءِ كَمَا فِيْ الْفَئِ فِيْ الْإِيْلَاءِ إِلَّا أَنَّهَا تُسْتَحَبُّ لِزِيَادَةِ الْإِحْتِيَاطِ كَيْلَا يَجْرِى التَّنَاكُرُ فِيْهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) رجعت کی حقیقت واضح کرتے ہوئے بتائیں کہ رجعت پر اشہاد واجب ہے یا مستحب؟ اور اختلاف ائمہ کو مدلل کریں (ج) رجعت کی شرائط شمار کرائیں، نیز کیا رجعت کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اگر ہے تو ایک مثال بھی دیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور رجعت پر دو گواہ بنانا مستحب ہے پھر اگر (رجعت پر) گواہ نہ بنایا تو بھی رجعت صحیح ہے، اور امام شافعیؒ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں فرمایا کہ صحیح نہیں ہے اور یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔ باری تعالیٰ کے قول ﴿وَأَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ کی وجہ سے یعنی تم لوگ اپنے میں سے دو عادل گواہ بنا لو۔ اور یہ حکم بطور ایجاب کے ہے۔ اور ہماری دلیل قید اشہاد سے نصوص کا مطلق ہونا ہے اور اس لیے کہ

Website:MadarseWale.blogspot.com

وہ (یعنی رجعت) نکاح کے بقا کا نام ہے۔ اور نکاح میں حالتِ بقا میں شہادشرط نہیں ہے جیسے ایلا میں رجوع کرنے میں (گواہ بنانا شرط نہیں ہے)؛ مگر یہ کہ شہادت مستحب ہے زیادتی احتیاط کی وجہ سے؛ تاکہ رجعت میں انکار جاری نہ ہو سکے۔

(ب) رجعت کی حقیقت، نیز رجعت پر اشہاد واجب ہے یا مستحب؟ اور اختلافِ ائمہ مع دلائل:

الرجعة في عبارة عن استدامة ملك النكاح. یعنی رجعت کہتے ہیں ملکِ نکاح کو برابر بدستور رکھنا۔

ہمارے نزدیک رجعت پر دو گواہ بنانا مستحب ہے یعنی دو آدمیوں سے کہے کہ تم دونوں گواہ رہنا میں نے اپنی بیوی سے مراجعت کر لی ہے اور اگر گواہ نہیں بنایا ہے تو بھی ہمارے نزدیک رجعت صحیح ہے۔

امام شافعیؒ کی دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان مرد کو گواہ بنائے بغیر رجعت کی تو رجعت ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور یہی قول امام مالکؒ کا ہے یعنی ان کے نزدیک بھی بغیر شہادت شاہدین کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: اس بات پر کہ رجعت پر گواہ بنانا واجب ہے ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ اور ﴿فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ یعنی جب ان کی عدت کا وقت قریب الختم ہو جائے تو ان کو روک لو، بغیر ضرر پہنچائے اور اپنے میں سے دو عادل گواہوں کو شاہد بنا لو۔ وہ دونوں دلیل دیتے ہیں کہ اس آیت میں اشہدوا کا صیغہ آیا ہے اور یہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اس وجہ سے رجعت میں گواہ بنانا واجب ہے۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ رجعت کے سلسلے میں جو نصوص منقول ہیں کوئی بھی نص گواہ بنانے کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے؛ بلکہ تمام کی تمام قید اشہاد سے مطلق ہیں۔ مثلاً

Website:MadarseWale.blogspot.com

﴿فَامْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ اور ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ﴾ اور ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ اور ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا﴾ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "مر ابنک فلیراجعھا" اب اگر رجعت میں شہادت کو واجب قرار دیدیا گیا تو نصوص مطلقہ پر زیادتی کرنا لازم آئے گا جو نا جائز ہے۔

ہماری دلیل عقلی: یہ ہے کہ رجعت بقاء نکاح کا نام ہے۔ اور بقاء نکاح کے لیے شہادت شرط نہیں ہے، لہٰذا رجعت کے لیے بھی شہادت شرط نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ایلاء میں رجوع کرنے کے لیے شہادت شرط نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بھی نکاح کی بقاء کی حالت ہے اور نکاح کے لیے شہادت شرط نہیں ہے؛ لیکن رجعت میں زیادتی احتیاط کی وجہ سے گواہ بنانا مستحب ہے؛ تا کہ عدت گذر جانے کے بعد لاعلمی کی وجہ سے لوگوں میں بدگوئی نہ پھیل جائے کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر عدت گذرنے کے بعد اس کو اس کو اپنے پاس رکھتا ہے اس بدگوئی سے بچنے کے لیے گواہ بنانے کو مستحب قرار دیا گیا ہے نہ کہ واجب، جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) رجعت کی شرائط، نیز کیا رجعت کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے؟

رجعت کے چند شرائط ہیں (۱) لفظ صریح جیسے أنت طالق یا بعض الفاظ کنائی، اعتدي استبرئي رحمک کے ساتھ طلاق دینا (۲) اس طلاق کے عوض میں مال نہ ہو۔ (۳) تین طلاق نہ دی ہوں (۴) عورت مدخول بہا ہو (۵) عدت موجود ہو۔

رجعت کا ثبوت کتاب اللہ، رسول اللہ اور اجماع تینوں سے ہے، کتاب اللہ سے ثبوت کی مثال ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ اور بردھن میں رد سے مراد رجعت ہے۔

محل امتحان نمبر ۴۹، ہدایہ ثانی /۳۹۶

(الف) عبارت با اعراب: وَإِذَا قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا وَصَدَّقَهُ الْمَوْلَى وَكَذَّبَتْهُ الْأَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ وَقَالَا

Website:MadarseWale.blogspot.com

الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلٰی وَإِنْ قَالَتْ قَدْ اِنْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَقَالَ الزَّوْجُ وَالْمَوْلٰی لَمْ تَنْقَضِ عِدَّتُکِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا لِأَنَّهَا أَمِیْنَةٌ فِیْ ذٰلِکَ اِذْ هِیَ الْعَالِمَةُ بِهٖ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) دونوں مسئلوں کی وضاحت کرتے ہوئے امام اعظمؒ کی دلیل قلمبند کریں۔

جواب

ترجمہ: اور جب باندی کے شوہر نے اس (زوجہ جو کہ باندی ہے) کی عدت گزر جانے کے بعد کہا میں اس کو (عدت میں) رجوع کر چکا تھا اور مولیٰ نے اس کی تصدیق کی اور باندی نے اس کو جھٹلایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی کا قول (معتبر) ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مولیٰ کا قول (معتبر) ہوگا اور اگر اس نے کہا کہ میری عدت گزر گئی اور باندی کے شوہر اور باندی کے مولیٰ نے کہا کہ تیری عدت نہیں گزری تو باندی کا قول (معتبر) ہوگا؛ کیوں کہ باندی اپنے اس قول ''انقضت عدتی،، میں امین ہے؛ اس لیے کہ باندی ہی انقضائے عدت کو جاننے والی ہے۔

(ب) دونوں مسئلوں کی وضاحت اور امام اعظمؒ کی دلیل:

اس عبارت کے اندر دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر باندی کے شوہر نے اس کی عدت گزر جانے کے بعد کہا کہ میں اس کی عدت میں رجوع کر چکا تھا یعنی زوجہ کسی غیر کی باندی ہے اور غیر نے اس کا نکاح کسی شخص سے کر دیا پھر اس شخص یعنی شوہر نے باندی کو طلاق رجعی دی پھر عدت کے گزر جانے کے بعد شوہر نے کہا کہ میں تو عدت میں اس سے رجعت کر چکا ہوں اور مولیٰ نے اس کی تصدیق بھی کی اور باندی نے اس کو جھٹلایا اور شوہر کے پاس رجعت کے گواہ نہیں ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مولیٰ کا قول قبول ہوگا اور باندی کے شوہر کو سچا قرار دیا جائے گا اور باندی کے جھٹلانے کا اعتبار نہیں ہوگا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ رجعت کا حکم عدت کے باقی رہنے اور عدت کے ختم ہونے پر مبنی ہے یعنی اگر عدت باقی ہے تو رجعت ثابت ہو جائے گی اور وطی حلال ہوگی اور اگر عدت گذر گئی تو رجعت کا حکم ثابت نہیں ہوگا اور وطی حلال نہیں ہوگی۔ اور عدت کی بقاء اور عدم بقاء میں عورت کا قول معتبر ہے نہ کہ مولیٰ کا، پس جو چیز عدت پر مبنی ہوگی اس میں بھی عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت کا حکم عدت پر مبنی ہے، لہٰذا اس میں بھی عورت کا قول معتبر ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر باندی نے کہا کہ میری عدت گذر گئی ہے اور ایام اتنے ہیں کہ عدت کا گذرنا ممکن ہے اور باندی کے شوہر اور باندی کے مولیٰ نے تکذیب کی یعنی کہا کہ تیری عدت نہیں گذری تو باندی ہی کا قول معتبر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ باندی عدت کے ختم ہونے کے سلسلے میں امین ہے؛ اس لیے کہ باندی ہی عدت کے گذرنے کا علم رکھتی ہے۔

محل امتحان نمبر ۵۰، ہدایہ ثانی ۳۹۸/

(الف) عبارت بااعراب: وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ لِأَنَّهَا حَلَالٌ لِلزَّوْجِ إِذَا النِّكَاحُ قَائِمٌ بَيْنَهُمَا ثُمَّ الرَّجْعَةُ مُسْتَحَبَّةٌ وَالتَّزَيُّنُ حَامِلٌ عَلَيْهَا فَيَكُونُ مَشْرُوعًا وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا أَنْ لَّا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يُؤْذِنَهَا أَوْ يُسْمِعَهَا خفق نَعْلَيْهِ مَعْنَاهُ اِذَا لَمْ تَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الْمُرَاجَعَةُ لِأَنَّهَا رُبَمَا تَكُوْنُ مُجَرَّدَةً فَيَقَعُ بَصَرُهُ عَلٰى مَوْضِعٍ يَصِيْرُ بِهِ مُرَاجِعًا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا فَتَطُوْلُ عَلَيْهَا الْعِدَّةُ.

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) مراجعت کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں مطلقہ رجعیہ کے پاس اسے آگاہ کر کے جانا کیوں مستحب ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب

ترجمہ: اور مطلقہ رجعیہ (اپنے آپ کو) آراستہ کرے اور مزین کرے؛ کیوں کہ یہ

Website:MadarseWale.blogspot.com

عورت اپنے شوہر کے واسطے حلال ہے؛ اس لیے کہ نکاح دونوں میں قائم ہے۔ پھر رجعت کرنا مستحب ہے اور عورت کا سنگار اس پر آمادہ کرنے والا ہے؛ اس لیے سنگار مشروع ہوگا اور اس کے شوہر کے لیے مستحب ہے کہ پاس نہ جائے یہاں تک کہ اس کو باخبر کردے یا اس کو اپنے جوتوں کی آہٹ سنا دے۔ قدوری کے کلام کی مراد یہ ہے کہ جب اس (شوہر) کا ارادہ مراجعت کا نہ ہو؛ کیوں کہ عورت بسا اوقات ننگی ہوتی ہے تو (ہوسکتا ہے کہ) اس کی نظر ایسی جگہ پر پڑ جائے جس سے وہ رجعت کرنے والا ہو۔ پھر وہ اس کو طلاق دے گا تو عورت پر زمانۂ عدت دراز ہو جائے گی۔

(ب) تشریح:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ جس شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیدی ہو تو اس بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو آراستہ اور مزین کرے یعنی اپنے چہرے اور رخساروں کو صاف ستھرا رکھے اور اس دوران خوب سج دھج کر رہے۔ دلیل یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ اپنے شوہر کے لیے حلال ہے؛ کیوں کہ دونوں کے درمیان نکاح موجود ہے طلاق رجعی دینے کی وجہ سے نکاح ختم نہیں ہوا۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ رجعت مستحب ہے۔ اور عورت کا بناؤ سنگار کرنا شوہر کو رجعت پر آمادہ کرنے والا ہے اس وجہ سے مطلقہ رجعیہ کا اپنے آپ کو مزین کرنا اور صاف ستھرا رکھنا مشروع ہے۔

(ج) مراجعت کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں مطلقہ رجعیہ کے پاس اسے آگاہ کرکے جانا کیوں مستحب ہے؟

مطلقہ رجعیہ کے پاس مراجعت کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں اسے آگاہ کرکے جانا اس وجہ سے مستحب ہے کہ عورت بسا اوقات گھر میں برہنہ ہو جاتی ہے، پس اگر بغیر مطلع کئے ہوئے شوہر داخل ہوگا تو ہوسکتا ہے کہ شوہر کی نگاہ عورت کے ایسے بدن پر پڑ جائے جس سے رجعت ثابت ہو جائے اور وہ جگہ فرج ہے یعنی جب شوہر کی نگاہ عورت کی فرج پر

Website:MadarseWale.blogspot.com

پڑے گی تو شوہر عورت سے رجوع کرلے گا۔ (بنایہ: ج ۵، ص ۳۷۱)

اور چوں کہ اس شخص کا ارادہ رجعت کا نہیں ہے؛ بلکہ اس کا ارادہ طلاق کا ہے تو ہوسکتا ہے کہ عورت کی ظاہری زینت سے شوہر ضبط نہ کرسکے اور جماع کرلے تو رجعت ہوجائے گی پھر اپنا مقصد پورا کرکے عورت کو طلاق دیدے گا؛ کیوں کہ اس کا مقصد تو طلاق دینا ہی ہے، رکھنا مقصد نہیں ہے۔ اور طلاق دینے کی صورت میں عورت پر خواہ مخواہ عدت لمبی ہوجائے گی؛ کیوں کہ عورت پہلے طلاق رجعی کے وقت سے عدت گذارے گی تو اس صورت میں عورت کو اذیت اور تکلیف دینا ہوگا۔ اس وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ عورت کے پاس جانے سے پہلے اس کو باخبر کردے۔ یا اپنے جوتوں کی آہٹ سنادے یا کھنکار کر داخل ہو۔

محل امتحان نمبر ۵۱، ہدایہ ثانی ۴۰۹/

(الف) عبارت بااعراب: وَإِنْ خَالَعَهَا عَلٰى أَلْفٍ عَلٰى أَنَّهٗ ضَامِنٌ فَالْخُلعُ وَاقِعٌ وَالْأَلفُ عَلٰى الْأَبِ لِأَنَّ اِشْتَرَاطَ بَدَلِ الْخُلعِ عَلٰى الْاَجْنَبِيِّ صَحِيْحٌ فَعَلَى الْأَبِ أَوْلٰى وَلَا يَسْقُطُ مَهْرُهَا لِأَنَّهٗ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ وِلَايَةِ الْاَبِ وَإِنْ شَرَطَ الْأَلفَ عَلَيْهَا تَوَقَّفَ عَلٰى قُبُوْلِهَا إِنْ كَانَتْ مِنْ أَهْلِ الْقَبُوْلِ فَإِنْ قَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ وَلَا يَجِبُ الْمَالُ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِ الْغَرَامَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگاکر ترجمہ کریں (ب) خلع کی تعریف، "خالعها" کی ضمیر مفعول کا مرجع اور ضمان غرامت کی مراد واضح کریجئے (ج) صورت مسئلہ لکھ کر پوری عبارت کو تشریح کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ہزار درہم پر خلع دیا اس شرط پر کہ وہ (یعنی بیوی کا باپ اس مال کا) ضامن ہے تو خلع واقع ہوجائے گا اور ہزار درہم باپ پر واجب

Website:MadarseWale.blogspot.com

ہوں گے؛ کیوں کہ اجنبی پر بدلِ خلع کی شرط لگانا صحیح ہے تو باپ پر (یہ شرط لگانا) بدرجہ اولیٰ صحیح ہے اور عورت کا مہر ساقط نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وہ باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہے۔ اور اگر شوہر نے اس ایک ہزار درہم کو اس (صغیرہ) پر شرط کیا ہو تو (خلع کا جائز ہونا) خود صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہے بشرطیکہ وہ قبول کرنے کی لیاقت رکھتی ہو، پس اگر صغیرہ نے قبول کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی شرط کے پائے جانے کی وجہ سے اور مال واجب نہیں ہوگا؛ کیوں کہ صغیرہ اہل تاوان میں سے نہیں ہے۔

(ب) خلع کی تعریف، "خالعها" کی ضمیر مفعول کا مرجع اور ضمان غرامت کی مراد:

خلع بضم الخاء وبفتح الخاء: دونوں طرح آیا ہے لغت میں اس کے معنی النزع کے ہیں یعنی نکال ڈالنا اور الگ کرنا اصطلاح میں "**عبارة عن اخذ مال المرأة بازاء ملك النكاح بلفظ الخلع**" یعنی خلع کہتے ہیں عورت سے لفظ خلع کے ساتھ ملکِ نکاح کے مقابلے میں مال لینا۔ (ہدایہ: ج ۲/ص: ۴۰۴)

صاحبِ فتح القدیرؒ کے نزدیک تعریف اس طرح ہے "**اخذه المال بازاء ملك النكاح**"۔ (فتح القدیر: ج ۴/ص ۱۸۸)

"**خالعها**" کی ضمیر مفعول کا مرجع صغیرہ ہے۔ (بنایہ: ج ۵/ص ۵۲۸)

ضمان سے مراد یہاں پر "**التزام المال لا الكفالة عن الصغيرة لعدم وجوب المال عليها**"۔

یعنی اپنے اوپر مال لازم کرنا نہ کہ صغیرہ کی جانب سے کفیل ہونا؛ کیوں کہ صغیرہ پر مال واجب نہیں ہے اور صاحبِ بنایہؒ کے نزدیک ضمان سے مراد "**التزام المال على نفسه لا للكفالة، لأن الزوج لا يستحق عليه مالا حتى يكفل عنها أحد**"۔

(بنایہ: ص: ۵۶۸) یعنی ضمان سے مراد اپنے اوپر مال لازم کرنا، نہ کہ صغیرہ کی جانب سے کفیل ہونا؛ اس لیے کہ شوہر کو صغیرہ پر مال وغیرہ کا استحقاق نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی طرف سے کوئی کفیل ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ج) صورتِ اور پوری عبارت کی تشریح:

صورتِ مسئلہ یہ ہے اگر شوہر نے اپنی صغیرہ بیوی سے ایک ہزار درہم پر اس شرط کے ساتھ خلع کیا کہ بیوی کا باپ، اس ایک ہزار کا ضامن ہوگا تو اس صورت میں خلع واقع ہو جائے گا اور اس کے باپ پر ایک ہزار درہم لازم ہوں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اجنبی پر بدلِ خلع کی شرط لگانا صحیح ہے۔ جیسے شوہر اور بیوی کے علاوہ کسی شخص نے شوہر سے کہا کہ تو اگر اپنی بیوی سے خلع کر لے تو ایک ہزار درہم خلع کا عوض مجھ پر ہے، پس شوہر نے اس شرط پر خلع صحیح ہے؛ حالاں کہ خلع کا عوض، ایک اجنبی شخص کے ذمہ ہے، پس اگر بیوی کے باپ نے اپنے ذمہ خلع کا عوض رکھا تو بدرجۂ اولیٰ صحیح ہے اور باپ کو یہ عوض دینا پڑے گا اور عورت (صغیرہ بیوی) کا مہر اس واسطے ساقط نہ ہوگا۔ اگر چہ خلع مہر کو ساقط کر دیتا ہے۔ کہ مہر باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہے؛ کیوں کہ مہر ساقط کرنے میں صغیرہ پر کوئی شفقت نہیں ہے حالانکہ ولایت تو شفقت ہی کے لیے ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اس ایک ہزار درہم کو جو کہ بدل خلع ہے اپنی صغیرہ بیوی پر شرط کر دیا تو جواز خلع خود اس صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا بشرطیکہ وہ صغیرہ قبول کرنے کی لیاقت رکھتی ہو۔ یعنی عقد کو سمجھتی ہو اور یہ سمجھتی ہو کہ خلع سے نکاح زائل ہو کر چھٹکارا حاصل ہوتا ہے؛ مگر مال دینا پڑتا ہے، پس اگر صغیرہ نے قبول کر لیا تو طلاق پڑ جائے گی؛ کیوں کہ قبول کی شرط پائی گئی؛ البتہ مال واجب نہیں ہوگا؛ کیوں کہ صغیرہ اس کی لیاقت نہیں رکھتی کہ اس پر تاوان وغیرہ لازم ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۵۲، ہدایہ ثانی ۴۱۰/

(الف) عبارت با اعراب: وَلَوْ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّي أَوْ كَأُمِّي يُرْجَعُ إِلٰى نِيَّتِهٖ وَإِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَأَبِي يُوْسُفَ لِاحْتِمَالِ الْحَمْلِ عَلَى الْكَرَامَةِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ:

Website:MadarseWale.blogspot.com

يَكُوْنُ ظِهَاراً لِأَنَّ التَّشْبِيهَ بِعُضْوٍ مِنْهَا لَمَّا كَانَ ظِهَاراً؟ فَالتَّشْبِيهُ بِجَمِيعِهَا أَوْلَى وَإِنْ عَنَى بِهِ التَّحْرِيمَ لا غَيْرُ؟ فَعِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ هُوَ إِيلاءٌ لِيَكُوْنَ الثَّابِتُ بِهِ أَدْنَى الْحُرْمَتَيْنِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ظِهَارٌ لِأَنَّ كَافَ التَّشْبِيهِ تَخْتَصُّ بِهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب تحریر کریں (ب) امام ابو یوسفؒ نے ایلاء کو ادنی الحرمتین کہا ہے یہ کس حرمت کے مقابلہ میں کہا ہے؟ نیز اس حرمت کے ادنیٰ ہونے کی وجہ بھی لکھیں۔

جواب

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کے مثل ہے یا میری ماں کے مانند ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو یہ طلاق بائن ہے اور اگر اس کی کچھ نیت نہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ کلام کچھ نہیں ہے؟ کیوں کہ کرامت پر محمول کرنے کا احتمال ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا ظہار ہوگا؛ کیوں کہ (بیوی کو) جب ماں کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہو جاتا ہے تو ماں کے پورے بدن سے تشبیہ دینا بدرجۂ اولیٰ ظہار ہوگا اور اگر اس نے اس کلام سے فقط حرام کرنا مراد لیا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ایلاء ہے؛ تا کہ اس کلام سے دو حرمتوں میں سے ادنیٰ حرمت ثابت ہو جائے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار ہے؛ کیوں کہ کاف تشبیہ ظہار ہی کے لیے مخصوص ہے۔

مطلب: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "أنت علي كأمي" یا "أنت علي مثل أمي" تو اس شخص کی نیت دریافت کی جائے گی یعنی جیسی نیت کرے گا ویسا حکم ہوگا اگر اس نے کہا کہ میں نے اپنے اس کلام سے طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اس کلام سے کوئی نیت نہیں کی ہے تو یہ کلام شیخین کے نزدیک لغو ہوگا یعنی اس پر کفارہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ کلام مجمل ہے اور کہنے والے نے اپنی مراد بیان نہیں کی ہے اس وجہ سے اس کا مصداق متعین کیا جا سکتا؛ کیوں کہ ایک طرف اگر

Website:MadarseWale.blogspot.com

یہ کلام طلاق اور ظہار کا احتمال رکھتا ہے تو دوسری طرف اس میں کرامت کا احتمال بھی موجود ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ عدم نیت کی صورت میں یہ کلام ظہار ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ جب ماں کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دینا بدرجۂ اولیٰ ظہار ہوگا۔ اور اگر اس نے "أنت علي مثل أمي" سے تحریم کا ارادہ کیا یعنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کا ارادہ کیا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایلاء ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار ہوگا امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایلاء کی حرمت ادنیٰ اور اخف ہے بمقابلہ حرمتِ ظہار کے۔ اور قاعدہ ہے کہ کسی کلام میں دو حرمتیں جمع ہو جائیں تو اس کلام کو ادنیٰ درجہ کی حرمت پر محمول کیا جائے گا؛ اس لیے "أنت علىٰ مثل أمي" کو تحریم کا ارادہ کرنے کی صورت میں حرمتِ ایلاء پر محمول کیا جائے گا نہ کہ حرمتِ ظہار پر۔

اور امام محمدؒ کی دلیل: یہ ہے کہ "أنت علىٰ مثل أمي" اور "کأمي" میں حرفِ تشبیہ موجود ہے اور حرف تشبہ اور کاف تشبیہ ظہار کے ساتھ مخصوص ہے؛ اس لیے اس کلام کو ظہار کی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) امام ابو یوسفؒ نے ایلاء کو ادنی الحرمتین کہا ہے یہ کس حرمت کے مقابلہ میں کہا ہے؟ نیز اس حرمت کے ادنیٰ ہونے کی وجہ:

امام ابو یوسفؒ نے ایلاء کو جو ادنی الحرمتین کہا ہے یہ حرمتِ ظہار کے مقابلے میں ہے، نیز اس حرمت کے ادنیٰ ہونے کی کئی وجہ ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ حرمتِ ایلاء بالفعل ثابت نہیں ہوتی؛ بلکہ چار ماہ گذر جانے کے بعد ثابت ہوتی ہے اور ظہار میں حرمت بالفعل ثابت ہو جاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مدتِ ایلاء میں وطی کے ذریعہ حرمتِ ایلاء کا دور کرنا ممکن ہے اور ظہار اس کے برخلاف ہے کہ اس میں کفارہ دینے سے پہلے، وطی کرنا ئز نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ظہار، فحش اور جھوٹ ہے اور ایلاء مباح اور جائز ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ایلاء کی حرمت لغیرہا ہے یعنی اللہ کے نام کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے حرمت پیدا ہوتی ہے اور ظہار کی حرمت لعینہا ہے؛ کیوں کہ ظہار ''منکرا من القول وزورا'' ہے یعنی ظہار فی نفسہ کذب بیانی ہے۔

محل امتحان نمبر ۵۳، ہدایہ ثانی ۴۲۰/

(الف) عبارت با اعراب: وَإِن اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَنَفى الثَّانِيَ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا لِمَا ذَكَرْنَا وَلَاعَنَ، لِأَنَّهُ قَاذِفٌ بِنَفْيِ الثَّانِي وَلَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ وَالْإِقْرَارُ بِالْعِفَّةِ سَابِقٌ عَلَى الْقَذْفِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ: عَفِيفَةٌ ثُمَّ قَالَ: هِيَ زَانِيَةٌ وَفِي ذٰلِكَ التَّلَاعُنُ، كَذَا هٰذَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ اور مطلب تحریر کریں (ب) ''لما ذکرنا'' سے جس دلیل کی طرف اشارہ ہے اس کو تحریر کریں (ج) ''والاقرار بالعفة'' سے جس سوال کا جواب دینا مقصود ہے اس کو لکھ کر جواب کی وضاحت کریں۔

جواب

ترجمہ: اور اگر شوہر نے پہلے (بچہ) کا اقرار کیا اور دوسرے کی نفی تو دونوں کا نسب (اس سے) ثابت ہو جائے گا مذکورہ دلیل کی وجہ سے اور وہ (شوہر) لعان کرے گا؛ اس لیے کہ وہ دوسرے بچہ کی نفی کر کے (بیوی پر) تہمت لگانے والا ہے اور اپنے قول سے رجوع بھی نہیں کیا ہے اور (بیوی کے) عفیفہ ہے پھر کہا کہ یہ زانیہ ہے اور اس طرح کہنے میں باہمی لعان کرنا واجب ہوتا ہے، ایسا ہی یہاں بھی۔

مطلب: اس عبارت سے پہلے یہ مسئلہ آیا تھا کہ اگر ایک عورت نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے اور دونوں بچوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فصل ہے پھر اس عورت کے شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کی نفی کردی اور دوسرے بچہ کے نسب کا اقرار کیا تو دونوں کا نسب اسی سے ثابت ہو جائے گا۔ اب اس عبارت کے اندر مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے

Website:MadarseWale.blogspot.com

پہلے بچہ کے نسب کا اقرار کیا اور دوسرے بچہ کے نسب کی نفی کی تو اس صورت میں بھی دونوں بچوں کا نسب اسی سے ثابت ہوگا۔

دلیل: وہی ہے جو پہلے مسئلہ میں تھی کہ دونوں بچے جڑواں ہیں ایک ہی مادہ سے پیدا ہوئے ہیں، لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بچہ اس کا ہو اور دوسرا اس کا نہ ہو؛ البتہ اس صورت یعنی اول کے نسب کے اقرار اور ثانی کے نسب کی نفی کی صورت میں شوہر پر لعان واجب ہوگا؛ کیوں کہ شوہر نے اس صورت یعنی ثانی بچہ کے نسب کی نفی کر کے اپنی بیوی پر تہمت لگائی اور اس سے رجوع نہیں کیا۔

(ب) "**لما ذکرنا**" سے جس دلیل کی طرف اشارہ ہے:

"**لما ذکرنا**: سے "**لأنهما توأمان خلقا من ماء واحد**" کی طرف اشارہ ہے۔

(ج) "**والاقرار بالعفة**" سے سوال کا جواب، نیز جواب کی وضاحت:

والاقرار بالعفة: سے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سوال کی تقریر یہ ہے کہ جب شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کے ثبوت کا اقرار کیا اور دوسرے بچہ کے نسب کی نفی کی تو پہلے بچہ کے نسب کے ثبوت کا اقرار دوسرے بچہ کی نفی کرنے کے بعد بھی باقی ہے، پس یہ سمجھا جائے گا کہ قذف یعنی تہمت لگانے کے بعد ابتداءً اقرار کیا ہے اور بچہ کی نفی اور تہمت لگانے کے بعد اگر اقرار پایا جائے تو اس صورت میں حد واجب ہوتی ہے، لہٰذا یہاں بھی حد واجب ہونی چاہئے؛ حالاں کہ آپ نے لعان واجب کیا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کا اقرار کر کے عورت کی عفت اور پاکدامنی کا اقرار کیا ہے، اور عفت کا اقرار حقیقتاً قذف یعنی تہمت پر مقدم ہے اور اعتبار حقیقت کا ہوتا ہے، پس یہ ایسا ہوگیا گویا کہ شوہر نے کہا کہ یہ عورت عفیفہ ہے پھر کہا کہ یہ زانیہ ہے اور اس صورت میں لعان واجب ہوتا ہے حد واجب نہیں ہوتی ہے اور یہی صورت یہاں بھی ہے، لہٰذا یہاں بھی لعان واجب ہوگا حد واجب نہیں ہوگی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۵۴، ہدایہ ثانی ۴۲۱/۲

(الف) عبارت بااعراب: وَلَوِ اخْتَلَفَ الزَّوْجُ وَالْمَرْأَةُ فِي الْوُصُوْلِ اِلَيْهَا فَإِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِيْنِهِ ثُمَّ إِنْ حَلَفَ بَطَلَ حَقُّهَا وَإِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً وَإِنْ كَانَتْ بِكْرًا نَظَرَ إِلَيْهَا النِّسَاءُ فَإِنْ قُلْنَ هِيَ بِكْرٌ أُجِّلَ سَنَةً بِظُهُوْرِ كِذْبِهِ وَإِنْ قُلْنَ هِيَ ثَيِّبٌ يُحْلَفُ الزَّوْجُ فَإِنْ حَلَفَ لَا حَقَّ لَهَا وَإِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً وَإِنْ كَانَ مَجْبُوْبًا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھتے ہوئے دلائل کی روشنی میں ان مسائل کی وضاحت کریں (ج) عورت کے حق کے بطلان کا کیا مفہوم ہے؟ (د) مجبوب ہونے کی صورت میں فوری تفریق کیوں کرادی جائے گی اس کو دلیل سے واضح کریں۔

جواب

ترجمہ: اور اگر شوہر اور بیوی کے پاس پہنچنے (یعنی وطی واقع ہونے) میں اختلاف ہو، پس اگر یہ عورت ثیبہ تھی تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ قبول ہوگا۔ پھر اگر شوہر نے قسم کھائی تو عورت کا حق باطل ہوگیا اور اگر شوہور نے انکار کیا تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی اور اگر عورت باکرہ ہو، تو عورتیں اس کو دیکھیں پھر اگر کہیں کہ یہ عورت باکرہ ہے تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے؛ کیوں کہ اس کا جھوٹ ظاہر ہوگیا۔ اور اگر عورتوں نے کہا کہ ثیبہ ہے تو شوہر سے قسم لی جائے گی، پس اگر اس نے قسم کھالیا تو عورت کے واسطے کچھ حق نہیں ہے اور اگر اس نے انکار کردیا تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اور اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو دونوں میں فی الحال تفریق کردی جائے گی۔

(ب) مطلب اور دلائل کی روشنی میں ان مسائل کی وضاحت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اور بیوی نے وطی واقع ہونے میں اختلاف کیا، بایں

Website:MadarseWale.blogspot.com

طور کہ شوہر کہتا ہے کہ میں تندرست ہوں اور میں وطی پر قدرت رکھتا ہوں اور میں نے تم سے وطی کر لی ہے اور بیوی اس کا انکار کر رہی ہے یعنی بیوی کہتی ہے کہ تو وطی پر قادر نہیں ہے اور وطی نہیں کی ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

خلاصہ یہ کہ شوہر وطی کا مدعی ہے اور عورت اس کی منکر ہے، پس اگر عورت دعویٰ کرے تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ مانا جائے گا۔

اس کی دلیل: یہ ہے کہ شوہر اپنے اور بیوی کے درمیان حقیقتاً جدائی کے ثابت ہونے کا منکر ہے اور بیوی فرقت کے استحقاق کی مدعی ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ آلۂ تناسل سلامت ہو، پس شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے وطی کر لی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد آلۂ تناسل کے صحیح ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور عورت کا یہ کہنا کہ اس نے وطی نہیں کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت آلۂ تناسل کی سلامتی کی قائل نہیں ہے۔ اور شوہر کا قول ظاہر کے موافق ہے اور عورت کا قول ظاہر کے خلاف ہے۔ اور جس کا قول ظاہر کے موافق ہو وہ مدعیٰ علیہ کہلاتا ہے اور جس کا ظاہر کے خلاف ہو وہ مدعی کہلاتا ہے، پس شوہر کا قول چوں کہ ظاہر کے موافق ہے؛ اس لیے شوہر مدعی علیہ ہوگا اور عورت کا قول ظاہر کے خلاف ہے؛ اس لیے عورت مدعیہ ہوگی اور قاعدہ ہے کہ بینہ نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔ اور چوں کہ عورت کے پاس گواہ نہیں ہے؛ اس لیے شوہر کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا نہ کہ عورت کا قول۔

اب اگر شوہر نے قسم کھالی اس بات پر کہ میں وطی کر چکا ہوں تو اب اس کی بیوی کا حق باطل ہو جائے گا اور اگر شوہر نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اب شوہر کو علاج کرانے کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی فوراً تفریق نہیں کرائی جائے گی۔ یہ مسئلہ تو اس وقت تھا جب کہ عورت ثیبہ ہو؛ لیکن اگر عورت باکرہ ہے اور شوہر وطی کا مدعی ہے اور عورت اس کی منکر ہے، تو اب اس صورت میں عورتیں اس کی بیوی کو دیکھیں گی کہ آیا یہ باکرہ ہے یا ثیبہ، پس اگر ان دیکھنے والی عورتوں نے کہا کہ اس کی بیوی باکرہ ہے تو بیوی کا قول معتبر ہوگا اور اس کے شوہر کو علاج کرانے کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی فوراً تفریق نہیں

Website:MadarseWale.blogspot.com

کرائی جائے گی۔ شوہر کو علاج کرانے کے لیے مہلت دی جائے گی؛ کیوں کہ شوہر کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا؛ اس لیے کہ اگر شوہر اس سے وطی کیا ہوتا تو وہ باکرہ نہ رہتی؛ بلکہ ثیبہ ہو جاتی؛ لیکن اگر ان دیکھنے والی عورتوں نے اس کی عورت کے بارے میں کہا کہ یہ ثیبہ ہے تو اس کے شوہر سے قسم لی جائے گی؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ عورت کی بکارت کسی دوسری وجہ سے زائل ہو گئی ہو وطی کی وجہ سے زائل نہ ہوئی ہو۔ اس وجہ سے ان دیکھنے والی عورتوں کی شہادت کے ساتھ شوہر پر قسم کھانے کی شرط لگا دی گئی ہے، پس اگر شوہر نے قسم کھالی تو عورت کے لیے کوئی حق نہیں ہوگا۔ اور اگر شوہر نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اب شوہر کو علاج کرانے کے لیے ایک ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

اب رہی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ عورت ثیبہ ہے، یا باکرہ صاحبِ بنایہؒ نے فرمایا کہ اس کو معلوم کرنے تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی صورت: یہ کہ عورت کی شرمگاہ میں مرغی کا چھوٹا سا انڈا داخل کیا جائے اگر آسانی سے بغیر سختی کے داخل ہو جائے تو ثیبہ ہے؛ ورنہ باکرہ ہے۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ عورت کے لیے دیوار پر پیشاب کرنا ممکن ہے تو باکرہ ہے؛ ورنہ ثیبہ ہے۔

تیسری صورت: یہ کہ انڈا توڑ کر شرمگاہ میں بہایا جائے، پس اگر وہ اندر چلا گیا تو سمجھو کہ وہ عورت ثیبہ ہے؛ ورنہ باکرہ ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو شوہر کو بغیر مہلت دیئے ہوئے دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی بشرطیکہ عورت تفریق کا مطالبہ کرے۔

دلیل: یہ ہے کہ مقطوع الذکر کی طرف سے وطی متوقع نہیں ہے اس وجہ سے اس کو مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(ج) عورت کے حق کے بطلان کا کیا مفہوم ہے؟

عورت کے حق کے بطلان کا مفہوم یہ ہے کہ عورت کا حق تاجیل اور فسخ میں باطل

Website:MadarseWale.blogspot.com

ہو جائے گا یعنی عورت وطی کا انکار کر کے فوراً تفریق کرانا چاہتی تھی؛ لیکن جب شوہر نے قسم کھالی تو اب عورت کا حق جو کہ فسخ تھا وہ باطل ہو جائے گا۔

اور حق کے بطلان کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ عورت کا دعوی باطل ہو جائے گا۔

(د) مجبوب ہونے کی صورت میں فوری تفریق کیوں کرادی جائے گی؟

مجبوب یعنی مقطوع الذکر ہونے کی صورت میں فوراً تفریق کرادی جائے گی اس کی دلیل عبارت کی وضاحت کے ضمن میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

محل امتحان نمبر ۵۵، ہدایہ ثانی ۴۲۲/۲

(الف) عبارت باعراب: وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُونٌ أَوْ بَرَصٌ أَوْ جُذَامٌ فَلَا خِيَارَ لَهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَهَا الْخِيَارُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ بِخِلَافِ جَانِبِهِ لِأَنَّهُ مُتَمَكِّنٌ مِنْ دَفْعِ الضَّرَرِ بِالطَّلَاقِ.

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مذکورہ مسئلہ اور اس میں ائمہ کرام کے اختلاف اور دلائل کی مکمل تشریح کریں (ج) شوہر میں جنون یا برص یا جذام کے پائے جانے کے باوجود شیخین کے نزدیک بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار کیوں نہیں دیا گیا؟ جب کہ مجبوب اور عنین ہونے کی صورت میں بیوی کو اختیار ہے وجہ فرق کی وضاحت کریں۔

جواب

ترجمہ: اور جب شوہر کو جنون ہو یا برص یا جذام ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عورت کو (نکاح فسخ کرانے کا) اختیار نہیں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ بیوی کو یہ اختیار حاصل ہے۔ بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے۔ جیسا کہ مقطوع الذکر اور عنین میں برخلاف شوہر کی جانب کے کہ وہ طلاق کے ذریعہ ضرر دور کرنے پر قادر ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ب) مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کرام کے اختلاف اور دلائل کی مکمل تشریح:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کو جنون ہو یا برص یا جذام ہو تو شیخینؒ کے نزدیک عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل قیاس ہے یعنی امام محمدؒ شوہر کے اس مرض کو اس کے مقطوع الذکر اور عنین ہونے پر قیاس کرتے ہیں، جس طرح شوہر کا ذکر اگر کٹا ہوا ہو یا شوہر نامرد ہو تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوتا ہے ایسے یہاں بھی یعنی اس مرض میں بھی عورت کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔ دونوں کے درمیان علتِ مشترکہ عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے۔ یعنی جس طرح مقطوع الذکر اور عنین ہونے کی صورت میں عورت سے ضرر دور کرنے کے لیے اس کو اختیار دیا گیا ہے اسی طرح اگر شوہر ان امراض میں مبتلا ہو تو بھی عورت سے ضرر دور کرنے کے لیے اس کو اختیار دیا جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر برص اور جذام وغیرہ امراض عورت کے اندر پائیں جائیں تو شوہر کو اختیار نہیں دیا جائے گا؛ کیوں کہ شوہر طلاق کے ذریعہ اپنے سے ضرر دور کرنے پر قادر ہے؛ اس لیے اس کو فسخِ نکاح کا اختیار دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ عورت کو خیار یعنی نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہ ہو؛ کیوں کہ عورت کو فسخِ نکاح کا اختیار دینے میں شوہر کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے۔

(ج) شوہر میں جنون یا برص یا جذام کے پائے جانے...:

شوہر میں اگر جنون ہو یا برص یا جذام ہو تو شیخینؒ کے نزدیک بیوی کو فسخِ نکاح کا اختیار نہیں دیا گیا اور اگر شوہر مقطوع الذکر یا عنین ہو تو اس صورت میں عورت کو فسخِ نکاح کا اختیار دیا گیا۔ ان دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مقطوع الذکر اور عنین یہ دونوں نکاح کے مقصود شرعی یعنی وطی کو فوت کر دیتے ہیں اور جنون برص اور برص بالکلیہ اس مقصود کو فوت نہیں کرتے، پس مقیس جو کہ جنون وغیرہ ہیں اور مقیس علیہ جو کہ مقطوع الذکر اور عنین ہیں دونوں میں فرق واضح ہو گیا، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۵۶، ہدایہ ثانی/۴۲۵

(الف) عبارت با اعراب: وَابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيبَ الطَّلَاقِ وَفِي الْوَفَاةِ عَقِيبَ الْوَفَاةِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوِ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدْ اِنْقَضَتْ عِدَّتُهَا لِأَنَّ سَبَبَ وُجُوبِ الْعِدَّةِ الطَّلَاقُ أَوِ الْوَفَاةُ فَيُعْتَبَرُ اِبْتِدَاءُهَا مِنْ وَقْتِ وُجُودِ السَّبَبِ. وَمَشَايِخُنَا يُفْتُونَ فِي الطَّلَاقِ أَنَّ اِبْتِدَاءَهَا مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ نَفْيًا لِتُهْمَةِ الْمُوَاضَعَةِ.

(الف) ترجمہ کریں (ب) اور بوضاحت مطلب لکھیں (ج) مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت بیان کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد ہی سے ہوگی، اور وفات کی صورت میں وفات کے بعد سے ہوگی، پھر اگر (عورت کو) طلاق یا وفات کا علم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ عدت کی مدت گذر گئی تو اس کی عدت پوری ہو چکی؛ کیوں کہ عدت کے واجب ہونے کا سبب (یہی) طلاق یا وفات ہے۔ تو سبب پائے جانے کے وقت سے عدت کی ابتداء معتبر ہوگی۔ اور ہمارے مشائخ طلاق کی صورت میں یہ فتویٰ دیتے تھے کہ عدت کی ابتداء اقرار کے وقت سے ہوگی؛ تاکہ باہمی اتفاق کر لینے کی تہمت دور ہو۔

(ب) بوضاحت مطلب:

اس عبارت کے اندر مصنفؒ فرماتے ہیں کہ عدت کی مدت کب سے شمار کی جائے گی؛ چناں چہ فرمایا کہ طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق دینے کے بعد سے ہوگی اور وفات کی صورت میں شوہر کی وفات کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی؛ چناں چہ اگر

Website:MadarseWale.blogspot.com

شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور عورت کو طلاق کا علم نہیں ہوا، یا شوہر کی وفات ہوگئی اور عورت کو معلوم نہ ہوسکا یہاں تک کہ عدت کا زمانہ گذر گیا تو حکم یہ ہے کہ اس کی عدت پوری ہوچکی۔ معلوم ہونے کی بعد عدت کا اعادہ نہیں ہوگا۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ واجب کرنے والی علت طلاق ہے یا وفات ہے، پس وجوبِ عدت معلول ہوا اور طلاق یا وفات علت ہوئی اور چوں کہ علت پائی گئی اور معلول اپنی علت کے ساتھ متصل ہوتا ہے؛ اس لیے وجوبِ عدت اپنی علت یعنی طلاق یا وفات کے ساتھ متصل ہوگا۔ اور علت اور سبب پائے جانے کے وقت سے ہی علت یعنی طلاق یا وفات کے ساتھ متصل ہوگا۔ اور علت اور سبب پائے جانے کے وقت سے ہی عدت کی ابتداء معتبر ہوگی۔

صاحبِ فتح القدیرؒ نے کہا کہ وجوبِ عدت کا سبب طلاق کو قرار دینا تساہل ہے؛ کیوں کہ عدت کا سبب وہ نکاح ہے جو دخول کے ساتھ متأکد ہوا اور طلاق تو وجوب عدت کے لیے شرط ہے۔ مناسب یہ تھا کہ صاحبِ ہدایہؒ یوں فرماتے "لان عند الطلاق والموت یتم السبب فیستعقبها من غیر فصل" یعنی طلاق اور موت کے وقت سبب پورا ہوجاتا ہے، لہٰذا عدت اس کے فوراً بعد بغیر کسی فصل کے واجب ہوگی۔

صاحبِ ہدایہؒ نے فرمایا کہ بخارا اور سمرقند کے علماء کا طلاق کی صورت میں فتویٰ یہ تھا کہ عدت کی ابتداء اقرار کے وقت سے ہوگی۔ مثلاً مرد اپنی بیوی سے ایک زمانہ جدا رہا پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھے اتنے روز پہلے طلاق دے چکا اور عورت کو اس کا علم نہیں، پس اگر عورت نے اس کی تصدیق کی تو اس کی عدت کی ابتداء اسی وقت سے ہوگی۔

اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ؛ تا کہ باہمی اتفاق کر لینے کی تہمت دور ہوسکے۔ یعنی ممکن ہے کہ میاں بیوی نے طلاق اور انقضائے عدت پر اتفاق کر لیا ہوتا کہ شوہر اس کے لیے دین کا اقرار کرلے یا وصیت کردے، پس اس تہمت کو دور کرنے کے لیے اقرار کے وقت سے اس کی عدت کا اعتبار کیا جائے گا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

(ج) مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت:

مطلقہ عورت کی دوصورتیں ہیں: یا تو مدخولِ بہا ہوگی یا غیر مدخول بہا۔ اگر غیر مدخول بہا ہے تو کوئی عدت نہیں ہے اور اگر مدخول بہا ہے تو پھر اس کی دوصورتیں ہیں یا تو حیض آتا ہوگا یا حیض نہیں آتا ہوگا اگر حیض آتا ہے تو تین تین حیض ہے اور اگر حیض نہیں آتا ہے تو تین مہینہ ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اور اگر متوفی عنہا زوجہا ہے تو اس کی بھی دوصورتیں ہیں یا تو حاملہ ہوگی یا غیر حاملہ۔ اگر حاملہ ہے تو مدت وضعِ حمل ہے اور اگر غیر حاملہ ہے تو مدت چار مہینہ دس دن ہے۔

محل امتحان نمبر ۵۷، ہدایہ ثانی ۴۴۷

(الف) عبارت با اعراب: وَنَفَقَةُ الْأَخِ الْمُعْسِرِ عَلَى الْأَخَوَاتِ الْمُتَفَرِّقَاتِ الْمُوسِرَاتِ أَخْمَاسًا عَلٰى قَدْرِ الْمِيرَاثِ غَيْرَ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ أَهْلِيَّةُ الْإِرْثِ فِي الْجُمْلَةِ لَا إِحْرَازُهُ فَإِنَّ الْمُعْسِرَ إِذَا كَانَ لَهُ خَالٌ وَ ابْنُ عَمٍّ تَكُوْنُ نَفَقَتُهُ عَلٰى خَالِهِ وَ مِيرَاثُهُ يَحُوْزُهُ ابْنُ عَمِّهِ وَلَاتَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ لِبُطْلَانِ أَهْلِيَّةِ الْإِرْثِ وَلَابُدَّ مِنْ إِعْتِبَارِهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھیں (ج) بتائیں کہ اختلافِ دین کے ساتھ کن رشتوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے؟

جواب

ترجمہ: اور تنگدست بھائی کا نفقہ مالدار متفرق قسم کی بہنوں پر بقدرِ میراث پانچ حصے کر کے واجب ہوگا؛ مگر یہ کہ میراث کی لیاقت معتبر ہے نہ کہ اس کا حاصل کرنا؛ کیوں کہ اگر ایک محتاج کا ماموں خوش حال اور چچا کا بیٹا خوش حال ہو تو اس کا نفقہ اس کے ماموں پر ہوگا؛ حالاں کہ اس کی میراث اس کے چچا کا بیٹا لے جائیگا اور ذو رحم محرم کا

Website:MadarseWale.blogspot.com

نفقہ دینی اختلاف کے ساتھ واجب نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وارث ہونے کی لیاقت باطل ہے؛ حالاں کہ اس کا اعتبار ضروری ہے۔

(ب) مطلب:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کا کوئی ایک بھائی تنگدست ہو اور اس کی تین بہنیں خوش حال ہیں، ایک حقیقی بہن ہے، ایک علاتی اور ایک اخیافی بہن ہے، تو ان تینوں پر بھائی کا نفقہ بقدرِ میراث پانچ حصہ کر کے واجب ہوگا یعنی تین حصہ حقیقی بہن پر اور ایک حصہ علاتی بہن پر اور ایک حصہ اخیافی بہن پر واجب ہوگا، ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ والد کے علاوہ میں میراث پانے کی لیاقت ہونا کافی ہے، میراث کا حاصل کر لینا ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر ایک محتاج آدمی ہے اور اس کا ماموں اور چچا کا بیٹا دونوں خوش حال ہیں تو اس محتاج آدمی کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہوگا؛ حالاں کہ اس کی میراث اس کے چچا کے بیٹے کو ملے گی ماموں کو نہیں ملے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ میراث پانے کی لیاقت ہونا کافی ہے، میراث کا حاصل کر لینا ضروری نہیں ہے یعنی اگر کسی کے اندر میراث پانے کی لیاقت ہے تو محتاج کا نفقہ اس پر واجب ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ ایسی قرابت موجود ہے جس سے دائمی نکاح حرام ہے اس کے باوجود اگر دین میں مخالفت ہو تو نفقہ واجب نہیں ہوگا؛ کیونکہ اختلافِ دین کی صورت میں میراث کی لیاقت باطل ہے؛ حالاں کہ نفقہ واجب ہونے کے لیے اس کا اعتبار ضروری ہے۔

(ج) اختلافِ دین کے ساتھ کن رشتوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے؟

اختلافِ دین کے ساتھ بیوی، والدین، دادا، دادی، بیٹے اور پوتے کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

محل امتحان نمبر ۵۸، ہدایہ ثانی/۴۵۱

(الف) عبارت با اعراب: وَلَوْ قَالَ لَاسُلْطَانَ لِيْ عَلَيْكَ وَنَوَى الْعِتْقَ لَمْ يَعْتِقْ لِأَنَّ السُّلْطَانَ عِبَارَةٌ عَنِ الْيَدِ وَسُمِّيَ السُّلْطَانُ بِهِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَقَدْ يَبْقَى الْمِلْكُ دُوْنَ الْيَدِ كَمَا فِي الْمُكَاتَبِ بِخِلَافِ قَوْلِهِ لَاسَبِيْلَ لِيْ عَلَيْكَ لِأَنَّ نَفْيَهُ مُطْلَقًا بِانْتِفَاءِ الْمِلْكِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مسئلہ کی وضاحت کریں

(ج) کس صورت میں غلام آزاد ہوگا اور کس صورت میں آزاد نہیں ہوگا اور دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب

ترجمہ: اور اگر (مالک نے غلام سے) کہا تجھ پر میری سلطنت نہیں ہے اور آزادی کی نیت کی تو آزاد نہ ہوگا؛ اس لیے کہ سلطنت سے مراد قبضہ ہے اور بادشاہ کا سلطان نام رکھا گیا؛ اس لیے کہ (مملکت پر) اس کا قبضہ ہے اور کبھی ملک باقی رہتی ہے نہ کہ قبضہ جیسے مکاتب میں ہوتا ہے، برخلاف اس (مولیٰ) کے قول "لَاسَبِيْلَ لِيْ عَلَيْكَ" کے؛ کیوں کہ مطلق راہ کی نفی کرنا ملک کی نفی سے ہوتا ہے۔

(ب) مسئلہ کی وضاحت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مالک نے اپنے غلام سے "لَاسُلْطَانُ لِيْ عَلَيْكَ" کہا اور آزادی کی نیت کی تو غلام آزاد نہیں ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ سلطان سے مراد قبضہ ہے اور بادشاہ کو بھی سلطان اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سلطنت یعنی مملکت پر اس کا قبضہ ہوتا ہے جس طرح چاہے تصرف کرے، ملک اور قبضہ کے درمیان تلازم نہیں یعنی ایسا ضروری نہیں ہے کہ ملکیت رہے تو قبضہ بھی رہے؛ بلکہ

Website:MadarseWale.blogspot.com

کبھی ملکیت باقی رہتی ہے اور قبضہ نہیں رہتا ہے، جیسے مکاتب غلام کے اندر کہ آقا کی ملکیت باقی رہتی ہے؛ لیکن قبضہ نہیں رہتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام سے "لَاسَبِیْلَ لِيْ عَلَیْکَ" کہا اور آزادی کی نیت کی تو غلام آزاد ہو جائے گا۔

دلیل: یہ ہے کہ بالکل راہ کی نفی کرنا جب ہی ہو سکتا ہے جب کہ ملک باقی نہ ہو یعنی مولیٰ نے اپنے قول "لَاسَبِیْلَ لِيْ عَلَیْکَ" کے اندر راہ کی نفی کی ہے، لہٰذا اس کو ملک سے کنایہ قرار دیا جائے گا؛ اس لیے کہ راستہ وہ ہے جس کے ذریعہ غیر تک پہنچا جائے اور غلام کے اندر ملکیت کے ذریعہ شرعی طور پر تصرفات کے نفاذ کی جانب پہنچا جاتا ہے، پس جب راہ کو ملک سے کنایہ قرار دینا صحیح ہو گیا تو غلام آزاد ہو جائے گا جب مولیٰ نے آزادی کی نیت کی ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) غلام کس صورت میں آزاد ہوگا اور کس میں نہیں، نیز دونوں صورتوں میں فرق:

اگر مولیٰ نے "لاسلطان لي علیک" کہا تو غلام آزاد نہیں ہوگا اور اگر "لاسبیل لي علیک" کہا تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں سلطان سے مراد قبضہ ہے اور مولیٰ نے سلطان کی نفی کی ہے تو گویا کہ اس نے قبضہ کی نفی کی ہے اور قبضہ کی نفی ملک کی نفی کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ مکاتب کے اندر ہوتا ہے کہ ملک باقی رہتی ہے؛ لیکن قبضہ نہیں رہتا۔

دوسری صورت میں جب کہ مولیٰ نے "لاقبیل لي علیک" کہا تو اس صورت میں سبیل یعنی راہ کی نفی کی ہے اور یہاں حقیقی معنیٰ مراد نہیں لیا جا سکتا ہے تو مجازی معنیٰ مراد لیا جائے گا اور سبیل کو ملک سے کنایہ قرار دیا جائے گا، گویا کہ مولیٰ نے ملک کی نفی کی ہے اور چوں کہ آزادی کی نیت کی ہے تو اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا گویا کہ مولیٰ نے اپنے غلام سے یوں کہا کہ تجھ پر میری ملکیت نہیں ہے یعنی تو آزاد ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com